Regd.# MC-1366

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

جلد 11 / شمارہ 09 / مارچ 2022

رمضان کے قدردان

درِ نہاں

تعلیم کا تیزاب

وَالصُّلحُ خَیر

جوڑوں کا درد

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

Shop Online: www.arabianoud.pk Whatsapp: +92 304 0001188

Address: Shop No.1-25-C, Opposite Baitussalam Masjid, DHA Ph 4, Karachi

ماہ نامہ
فہمِ دین
کراچی

مارچ 2022

فہم وفکر

عنوان	مصنف	صفحہ
تعلیم کا تیزاب	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

عنوان	مصنف	صفحہ
فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

عنوان	مصنف	صفحہ
حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ	حذیفہ رفیق	10
انتہاپسندی، اسباب سدباب	سعد صالح	12
حضرت زینب رضی اللہ عنہا	ندا اختر	14
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	17
جوڑوں کا درد	حکیم شمیم احمد	19

خواتین اسلام

عنوان	مصنف	صفحہ
وہ حاکم میں ناقص	قرات گلستان	22
درو خشاں	ام نسیبہ	24
والصلح خیر	مہوش کرن	25
وعدے کی اہمیت	عبد المتین	26
بلاعنوان	عمارہ فہیم	27
مسیحا کی ناانصافی	مائکہ سیم	28
نیا سال نئے عزائم	عبد الرحمن ہاشمی	30

باغچہ اطفال

عنوان	مصنف	صفحہ
کامران کا ہماز	ام محمد عبد اللہ	32
مکس دال	حوریہ بتول	33
روٹی کے گالے	تنزیلہ احمد	34
قرارداد پاکستان	بنت ایوب مریم	35
آٹکو پیں	فوزیہ خلیل	36
کوکو مومو	ڈاکٹر الماس روحی	37
مغرور بگلا اور کوا	ایمن بخاری	38
بچوں کے فن پارے		40
انعامات ہی انعامات		41

بزم ادب

عنوان	مصنف	صفحہ
ازواج مطہرات	عائشہ عاشی	42
سیدہ فاطمہ	ارسلان اللہ خان	43
سارے صحابہ برحق	احمد ظہور	43
گلدستہ		44

اخبار السلام

عنوان	مصنف	صفحہ
اخبار السلام	خالد معین	46

زیر سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظرثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	ایم اے کے انوویشن

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@baitussalam.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے

سالانہ اندرون ملک

عام ڈاک	750 روپے
رجسٹرڈ پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرون ملک	55 ڈالر

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

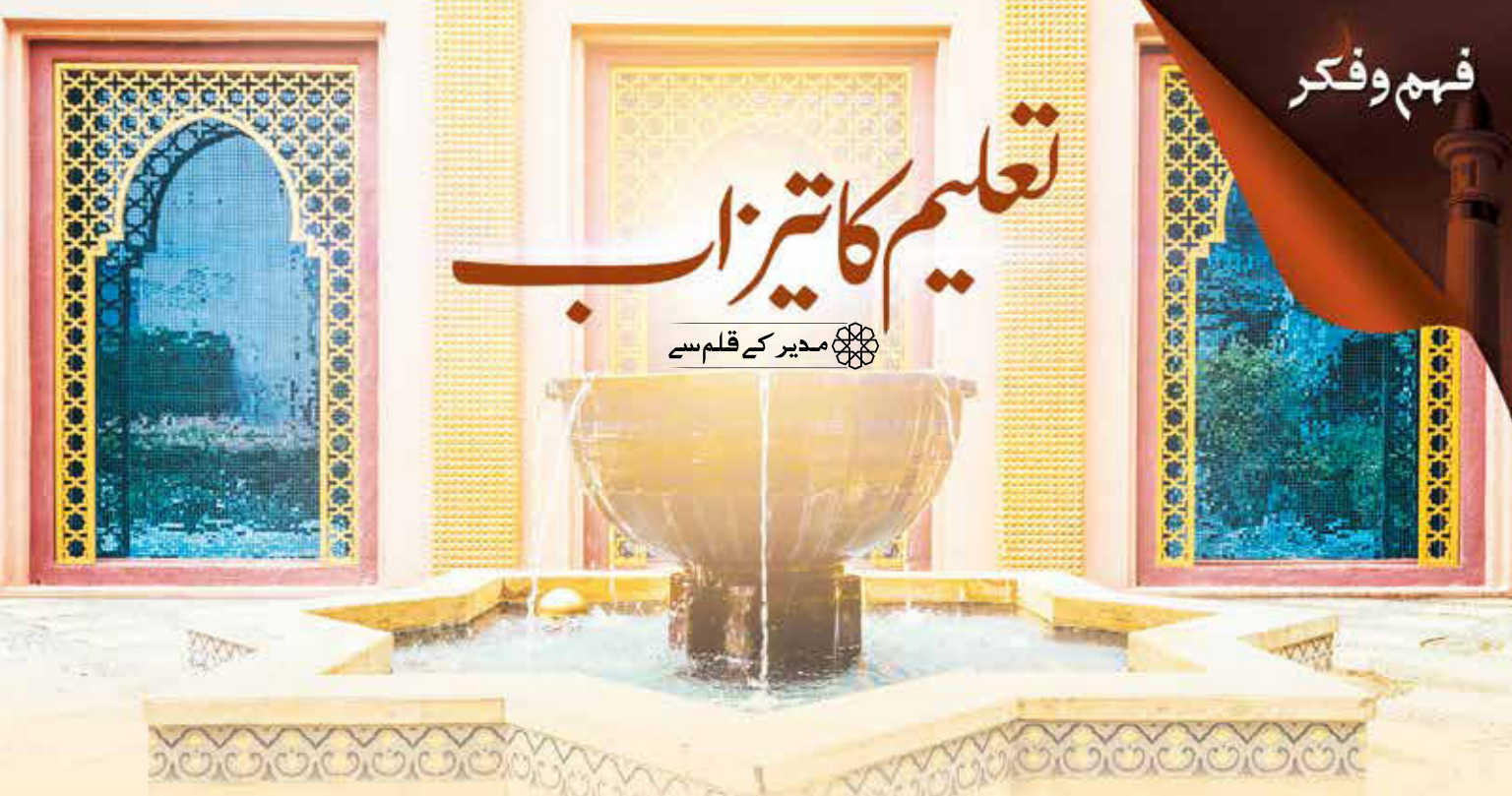

تعلیم کا تیزاب

مدیر کے قلم سے

ریاست، مدینہ کی ہے اور مسجدوں کی حرمت داؤ پر لگ گئی ہے۔ نہ جانے کس خمیر سے بنے ہیں یہ لوگ؟؟؟

خمیر تو وہی ہے جو لارڈ میکالے نے متحدہ ہندوستان میں آج سے 88 سال پہلے نظامِ تعلیم میں دیا تھا کہ اس نصاب کو پڑھنے والے کی شکل و صورت تو مسلمانوں والی ہو گی، مگر اس کے اندر بسنے والا ذہن انگریز کا ہو گا۔ اسی کو ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے یوں کہا ہے کہ

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اِک ڈھیر

دیکھ لیں کیسے کیسے ہیرے ہیں ملکِ عزیز میں، لاکھوں نہیں، کروڑوں میں ایک ہیں، اہم پوسٹوں پر براجمان ہیں، ملک و ملت کی تقدیر اُن کے ہاتھ میں ہے، مگر کیا ہے؟ تعلیم انگریزی ہے اور کسی اللہ والے کی صحبت کبھی میسر نہیں ہوئی تو سونے کا ہمالہ ہونے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مٹی کا اِک ڈھیر ثابت ہوتے ہیں۔

کیسے پورے ملک میں اضطراب بپا کر دیا "مدینہ مسجد" کو گرانے کی بات کر کے۔ بھلا ریاستِ مدینہ میں ایسے فیصلے بھی سننے کو ملنے تھے!!!

اللہ تعالیٰ نے زمین بنانے کا فیصلہ کیا تو پانی میں سے زمین کا جو حصہ سب سے پہلے نمودار ہوا، وہ بیت اللہ خانہ کعبہ تھا۔

نبی ﷺ کو آزاد ریاست ملی تھی۔ سب سے پہلے قبا بستی میں پہنچے تو مسجدِ قبا تعمیر کی۔ پھر مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے مسجدِ نبوی تعمیر کی۔

اصل مسئلہ سارا "تعلیم کے تیزاب" کا ہے۔ یہ مغرب کے فرعونوں کے ہاتھوں ایسی جادوئی پڑیا لگی ہے، جس کے بارے میں اکبر الہ آبادی برسوں پہلے کہہ گئے

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

فرعون نے بچوں کو کیوں قتل کیا؟ صرف اس لیے کہ کوئی اس کی حکم رانی کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ مقصد انگریز کا بھی یہی ہے، مگر اس نے قتل کے بجائے صرف اپنا نصابِ تعلیم رائج کر دیا، بدنامی سے بھی بچ گیا اور اُن کی ڈگڈگی پر حرکت میں آنے والے بعض ذہنی غلاموں کی ایک کھیپ بھی اُن کو مل گئی۔

تعجب ہوتا ہے کہ مسلمان ایک ایک پیسا چندہ کر کے مسجدیں بنائیں اور کوئی آئے اور بہ یک جنبشِ قلم مسجد گرانے کا حکم دے دے۔

ذہنی ارتداد اور کیا ہوتا ہے!!! یہی نا کہ نام تو اسلامی ہو مگر ذہن میں دین سے بے زاری ہو۔ اقبال ایسے ہی شکوہ کناں نہیں ہے کہ:

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

قارئین گرامی! علمائے کرام، دینی جماعتیں اور اسلام پسند عوام شکریے کی مستحق ہیں، جن کی کاوشوں سے "مدینہ مسجد" گرانے کی ناپاک جسارت کوئی کر نہ سکا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مستقل بیدار رہنے کی ضرورت ہے، مساجد اور مدارس کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، اُن عناصر پر نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہے اور ہوشیار رہنے کی بھی، جو کہیں قانون سازی کر کے اور کہیں فیصلے سنا کر اسلام کے مضبوط قلعے ہمارے ملکِ عزیز پاکستان میں اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اپنی اولاد کی دُنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی بھی بھرپور فکر کرنی چاہیے۔ خدارا! دین کے معاملے کو ہلکا نہ لیں، ہماری، ہمارے بچوں اور امتِ مسلمہ کی دُنیاوی اور اخروی کام یابی اسی سے جڑی ہے۔ گھروں کے ماحول اور اداروں کے ماحول کو مزید اسلامائز کرنے کی ضرورت ہے، میرے بچے کو ناظرہ آتا ہو، حافظِ قرآن بنانے کی فکر ہو، ترجمۂ قرآن اور علمِ دین سیکھنے کا جذبہ ہو سیرتِ رسول ﷺ کا مطالعہ بھی ہو اور اسے عملی زندگی میں اپنانے کی فکر بھی ہو اور جہاں جہاں اللہ موقع اور اختیار دے، دین کا سپاہی بن کر کھڑا ہونا چاہیے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی جان، مال، اولاد و قف کی تو دین ہم تک پہنچا۔ ہم اگر اپنے حصے کا کام کریں گے تو قیامت تک آنے والی ہماری نسلوں اور امتِ مسلمہ میں دین باقی رہے گا، ورنہ نہ ہماری نسلیں ہمیں معاف کریں گی اور نہ ہی ہم خدا کے حضور سرخ رُو ہو سکیں گے۔

قارئینِ گرامی! آخری بات یہ ہے کہ آئندہ ماہ رمضان المبارک ہو گا، اس کی تیاری کے لیے ابھی سے کمر کس لینی چاہیے۔ ماہ نامہ فہمِ دین ہر بار کی طرح اس بار بھی "رمضان المبارک۔۔۔ خصوصی اشاعت" کا اہتمام کر رہا ہے، جس میں بچوں اور بڑوں، اسی طرح مرد و خواتین سبھی کے لیے رمضان المبارک کی بابرکت گھڑیوں کو قیمتی بنانے کے لیے مضامین اور کہانیاں ہوں گی، تو اپنے لیے اور اپنے دوست احباب، رشتے داروں کو تحفے میں دینے کے لیے ماہ نامہ فہمِ دین کا اپریل کا شمارہ ابھی سے بُک کروانا نہ بھولیے گا، پھر نہ کہنا خبر نہ ہوئی۔ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت، والسلام! اخوکم فی اللہ

محمد خرم شہزاد

قرآن فہمی

النساء 128-130

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا 128

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے زاری کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس کے اتفاق سے کسی قسم کی صلح کرلیں اور صلح کرلینا بہتر ہے اور انسانوں کے دل میں (کچھ نہ کچھ) لالچ کا مادہ تو رکھ ہی دیا گیا ہے اور اگر احسان اور تقویٰ سے کام لو تو جو کچھ تم کرو گے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ 128

تشریح نمبر 1: بعض اوقات کسی شوہر کا اپنی بیوی سے دل نہیں ملتا اور اس سے بے رخی اختیار کرکے اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ اس صورت میں اگر بیوی طلاق پر راضی نہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہو کر شوہر سے صلح کر سکتی ہے، یعنی یہ کہہ سکتی ہے کہ میں اپنے فلاح حق کا مطالبہ نہیں کروں گی، مگر مجھے اپنے نکاح میں رہنے دو۔ ایسی صورت میں شوہر کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائے اور طلاق پر اصرار نہ کرے، کیوں کہ مصالحت کا رویہ ہی بہتر ہے، نیز اگلے جملے میں احسان کی نصیحت فرما کر شوہر کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دل نہ ملنے کے باوجود بیوی سے نباہ کرنے کی کوشش کرے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرتا رہے تو اس کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کا ذریعہ ہوگا۔

تشریح نمبر 2: مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت میں دنیوی فائدوں کا کچھ نہ کچھ لالچ ہوتا ہے، اس لیے اگر عورت اپنے کچھ دنیوی مفادات چھوڑ رہی ہے تو شوہر کو یہ سوچنا چاہیے کہ اسے طلاق کی صورت میں کوئی سخت تکلیف پیش آنے کا اندیشہ ہے، اسی لیے وہ اپنے یہ مفادات چھوڑنے پر آمادہ ہوئی ہے، ایسی صورت میں صلح کر لینا بہتر ہے۔ دوسری طرف بیوی کو یہ سوچنا چاہیے کہ شوہر نے کچھ دنیوی فائدوں کے لیے نکاح کیا تھا جو اس کو میری زوجیت میں حاصل نہیں ہو رہے ہیں، لہٰذا وہ میری جگہ کسی اور سے نکاح کرکے وہ فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر میں اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہو کر اسے کچھ دوسرے فوائد مہیا کر دوں تو وہ اس ارادے سے باز آسکتا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا 129

ترجمہ: اور عورتوں کے درمیان مکمل برابری رکھنا تو تمہارے بس میں نہیں، چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو، البتہ کسی ایک طرف پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا بنا کر چھوڑ دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہوئی چیز اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ سے کام لوگے تو یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ 129

تشریح نمبر 3: یعنی یہ بات انسان کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ قلبی محبت اور لگاؤ میں بیویوں کے درمیان پوری پوری برابری کرے، کیوں کہ دل کا جھکاؤ انسان کے بس میں نہیں ہوتا، لہٰذا اگر ایک بیوی سے دلی محبت دوسری کے مقابلے میں زیادہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہیں ہے، البتہ عملی سلوک میں برابری کرنا ضروری ہے، یعنی جتنی راتیں ایک کے پاس گزارے اتنی ہی دوسری کے پاس گزارے، جتنا خرچ ایک کو دے اتنا ہی دوسری کو دے، نیز ظاہری توجہ میں بھی ایسا نہ کرے جس سے کسی بیوی کی دل شکنی ہو اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ بیچ میں لٹکی ہوئی ہے۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا 130

ترجمہ: اور اگر دونوں جدا ہو ہی جائیں تو اللہ اپنی (قدرت اور رحمت کی) وسعت سے دونوں کو (ایک دوسرے کی حاجت سے) بے نیاز کر دے گا۔ اللہ بڑی وسعتوں والا، بڑی حکمت والا ہے۔ 130

تشریح نمبر 4: مصالحت کی تمام کوششوں کے باوجود ایک مرحلہ ایسا آسکتا ہے کہ اس کے بعد نکاح کا رشتہ میاں بیوی پر تھوپے رکھنا دونوں کی زندگیوں کو اجیرن بنا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں طلاق اور علاحدگی کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز ہے اور یہ آیت اطمینان دلا رہی ہے کہ جب خوش اسلوبی سے جدائی عمل میں آجائے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لیے ایسے راستے پیدا کر دیتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

فہمِ حدیث

شعبان کا بابرکت مہینہ

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ

ترجمہ: اے اللہ ! ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کا مہینہ نصیب فرما۔ (المعجم الصغیر لطبرانی)

ماہِ شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهٗ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا مَّا فِيْ شَعْبَانَ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور (نفلی روزوں کے کے بارے میں) یہ تھا کہ آپ (کبھی کبھی) مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کرتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ ہی نہیں کریں گے اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلا روزے کہ ہی رہا کریں گے۔۔۔ اور فرماتی ہیں، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ "میں نے نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں۔ (اس حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ شعبان کے قریبا پورے مہینے ہی روزے رکھتے تھے)۔"

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب تو یہ ہے ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ ﷺ کا کوئی لگا بندھا دستور و عمل نہیں تھا، بلکہ کبھی آپ مسلسل بلاناغہ روزے رکھتے تھے اور کبھی مسلسل بغیر روزے کے رہتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ امت کے لیے، آپ کی پیروی میں مشکل اور تنگی نہ ہو، بلکہ وسعت کا راستہ کھلا رہے اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی رویے کی پیروی کر سکے۔ دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ آپ پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے فرض کیے ہیں) ہاں، شعبان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ روزے رکھتے ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ ماہِ شعبان میں بہت زیادہ روزے اس لیے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالے کی جاتی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیے جا رہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں۔"

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہو گا اور شعبان کے روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہو گی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے۔

پندرھویں شعبان کا روزہ

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَاِنَّ اللهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلَعَ الْفَجْرُ (رواہ ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو، کیوں کہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت پہلے آسمان پر اتر آتی ہے" اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ "کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں، کوئی بندہ ہے جو روزی مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی مبتلائے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجت مندوں کو اللہ پکارتا ہے کہ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات میں پکارتی رہتی ہے۔"

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

وقت کے ساتھ سب بدل جاتا ہے،

لیکن وہ گزرے دن اور خالص ذائقے، آج بھی یاد دلاتا ہے، شنگریلا اچار

گھر جیسا اچار چٹخارے دار...

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

رمضان کی قدردانی

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

انسانی زندگی کی ترتیب کچھ اس قسم کی ہے کہ یہ ماں کے پیٹ میں کچھ عرصہ رہتا ہے، پھر زمین وآسمان کی اس فضا میں، اس دنیا کے اندر کچھ زندگی کے دن گزارتا ہے اور پھر یہ آگے منتقل ہو جاتا ہے، اسے ہم انتقال کہتے ہیں۔ اسے ہم شفٹنگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ انتقال کرنے والا زندگی کے اگلے مرحلے کے لیے منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ آگے چلا گیا ہے۔ دنیاوی زندگی کا ایک حصہ ہے، اس کی بھی زندگی کے کچھ موسم ایسے ہوتے ہیں، جس میں یہ انسان تھوڑے وقت میں بہت کما لیتا ہے، جسے سیزن کہتے ہیں، کمائی کا موسم کہہ لیتے ہیں، کمائی کا سیزن کہتے ہیں اور بسا اوقات وہ سیزن ایسا لگ جاتا ہے کہ سارا سال گزارا چلتا رہتا ہے۔ دنیا والوں کے لیے اس دنیا کے بھی بڑے سیزن لگتے ہیں، لیکن مسلمان تو آخرت والا ہوتا ہے۔ اس کا تو یہ ایمان ہے، دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، زندگی آگے ہے اور یہ ایمان کیوں نہ ہو؟

میرے اور آپ کے پیغمبر ﷺ کا سبق یہی ہے:

"اللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ"

اے اللہ! زندگی تو کل کی زندگی ہے، جس کا ایمان کل کی زندگی کے لیے تروتازہ ہو ایسے شخص کے لیے رمضان اللہ کا بہت بڑا انعام ہوا کرتا ہے، بلکہ ایسے لوگ تو رمضان کے اس سیزن کا مہینوں پہلے انتظار کرتے ہیں، جیسے دنیا والوں کے لیے پورے سال میں جو موسم سیزن کا ہوتا ہے، ان کے پورے سال کی کاروباری زندگی اس کے گرد گھومتی ہے اور کاروباری فیصلے اس کے گرد گھومتے ہیں، انتظار رہتا ہے، سیزن آئے گا تو جنھیں آخرت کی زندگی پر ایمان نصیب ہوتا ہے، ان کے لیے یہ رمضان ایک بہت بڑا سیزن ہے اور ان کی زندگی اس کے ارد گرد گھومتی ہے۔ علما نے لکھا ہے: انتظار کرنے والے چھ مہینے پہلے دعائیں کرنے لگتے ہیں کہ اللہ! رمضان دے دے اور بقیہ پانچ مہینے یوں گزرتے ہیں کہ اے اللہ! جو کمائی کی ہے، اسے قبول بھی فرما لے۔

سیزن کا انتظار اور اس کے فوائد کوئی ایسا معاملہ نہیں جو سمجھ نہ آئے۔ کاروباری سیزنوں کو سامنے رکھ کر سوچا جا سکتا ہے کہ اس میں مشغول لوگوں کو کیسا انتظار رہتا ہے اور کسی شخص کے کاروباری چند سیزن لگ جائیں تو اسے بتانا نہیں پڑتا کہ میرا سیزن اچھا گزرا ہے۔ اس کی زندگی بتاتی ہے کہ اس کا سیزن اچھا گزرا ہے۔ اسٹیٹس بدل جاتا ہے، بچوں کے اسکول بدل جاتے ہیں، گاڑی بدل جاتی ہے، لباس پوشاک بدل جاتی ہے، سوسائٹیاں بدل جاتی ہیں، رہائش اور گھر تبدیل ہو جایا کرتے ہیں، خوشیوں کے انداز بدل جاتے ہیں۔۔۔ تو سبھی جانتے ہیں، کاروبار اچھا چل رہا ہے، اس کی زندگی بتاتی ہے سیزن اچھا لگا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو رمضان کا جو سیزن دیتا ہے، اللہ کرے کچھ ایسا ہو جائے کہ رمضان کے بعد ہماری زندگیاں بتادیں اور اللہ نہ کرے اور ہزار بار نہ کرے کہ 40، 50 رمضان آئے اور گزر گئے، لیکن میری زندگی کا نقشہ ہی نہیں تبدیل، نہ خوشیوں کے انداز بدلے، نہ عبادت کا انداز اور رنگ بدلا، نہ گھر کی زندگی بدلی، نہ بازار کا معاملہ ٹھیک ہوا۔ اللہ نہ کرے کہ یہ رمضان آئے اور یوں ہی گزر جائے۔

تو قدر دانوں کے یہاں تو اس کی بڑی قدر ہوتی ہے اور خود اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ مہینوں پہلے دعائیں کر رہے ہیں، جانتے ہیں ناں کہ رمضان ہے!! حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: "رَمَضَانُ شَھْرُ اللّٰہِ" رمضان اللہ کا مہینا ہے۔ یوں تو سارے ہی مہینے اللہ کے ہیں، لیکن خاص نسبت کہ رمضان اللہ کا مہینا ہے۔ اس میں اللہ کی رحمتوں کی گھٹا بے حد و بے حساب برستی رہتی ہے۔

حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "سارا سال اللہ کی جو رحمتیں برستی ہیں، اسے رمضان کی رحمتوں سے اتنی بھی نسبت نہیں جتنی ایک قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے۔"

یوں تو اللہ کے نبی ﷺ زبان پر بد دعا کے کلمات کبھی نہیں لایا کرتے تھے، لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ آپ رمضان سے پہلے شعبان کی آخری گھڑیوں میں مسجد نبوی میں تشریف لائے، منبر پر چڑھنے لگے،

ایک سیڑھی پر قدم رکھا، آمین کہا۔ دوسرے منبر کی سیڑھی پر قدم رکھا، آمین کہا۔ تیسرے پر قدم رکھا، آمین کہا۔ بیٹھنے والے عشاق جن کی نظر آپ ﷺ کے ہر عمل اور قول پر ہوتی تھی، غور سے دیکھ رہے تھے کہ آج منبر پر آنے کا انداز مختلف ہے، پوچھ لیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ نے آمین کہا اور پھر آمین کہا اور پھر آمین کہا۔ پیارے رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: ہاں، جبرئیل امین آئے تھے اور انھوں نے ایک بد دعا کی تھی اور

میں نے کہا کہ اے اللہ ! اس بد دعا کو قبول فرما۔ انھوں نے ایک بد دعا دی تھی کہ کوئی شخص رمضان کی مبارک گھڑیاں پائے، رمضان کا یہ مہینا پائے، جس میں رحمتیں ہی رحمتیں ہیں، قدم قدم پر نوازنے اور بخشش کے فیصلے ہیں، سحری کا وقت تہجد کی گھڑی بخشش کی گھڑیاں ہیں۔ افطاری کے وقت دعاؤں کی قبولیت کی گھڑی ہے۔ رمضان کی ہر رات میں فرشتہ، منادی ندا دیتا ہے، ہے کوئی بخشش چاہنے والا۔۔۔ جہاں اللہ رب العزت نیکیوں میں نوافل کو فرضوں کے برابر اجر عطا فرمادیتے ہیں اور فرضوں کا ثواب ستر گنا بڑھا دیتے ہیں اور یہ کم از کم ہے، ورنہ دینا چاہیں تو نہ جانے کتنا گنا عطا فرمادیں، جہاں اللہ رب العزت کی بخشش کے فیصلے بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔

یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جب جہنم کے دواز ے بند کر دیے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے تو پھر رمضان میں یہ گناہ کیوں ہو رہے ہوتے ہیں؟ تو اس بابت یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بسا اوقات مہینوں پہلے جراثیم کے اثرات ہوتے ہیں اور بیماریاں بسا اوقات اس کے اثر سے مہینوں چلتی ہیں، مہینوں پہلے جراثیم نے اثر کیا اور اس بیماری کا اثر مہینوں رہا، ایسا بھی ہوتا ہے شیاطین کا کچھ اثر ایسا بھی ہو جاتا ہے، گناہوں کی لت اور عادت ایسی پڑتی ہے کہ آدمی رمضان کے اس مہینے کی مقدّس گھڑیوں میں بھی اپنے نفس کے زیرِ اثر رہتا ہے۔ شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں اور اس کا اثر نظر بھی آتا ہے۔ کتنے گناہ گار ہیں، تہجد گزار نظر آتے ہیں، کتنے اللہ کے نافرمان ہیں ان کی زندگیوں میں اللہ کی فرماں برداری نظر آتی ہے، کتنے ایسے ہیں جو مسجدوں سے دور ہوتے ہیں، اللہ کے گھر میں نظر آتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جن کے لیے دو چار نفل پڑھنا مشکل ہے، وہ بھی بیس رکعت بڑی ذوق و شوق سے اللہ کا کلام سنتے نظر آتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جن کی زندگیوں میں فرائض کا ہی اہتمام نہیں، وہ اس ماہِ مبارک میں ماشاء اللہ نوافل کا اہتمام کرتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو سال بھر تلاوتِ قرآن نہیں کرتے اور ماشاء اللہ رمضان میں کئی کئی قرآن ختم کر لیتے ہیں۔ یہ سب اثر ہے کہ اللہ کی رحمت کا شامیانہ تن چکا ہے، یہ سارا اثر ہے سرکش شیاطین جنّات قید کر دئے گئے ہیں۔ ہاں، یہ بڑی بد قسمتی ہے کہ شیاطین کا اثر اتنا ہے کہ رمضان میں بھی زندگی ان کی گناہوں میں گزر رہی ہے تو رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے کہ جبرئیل آئے اور بد دعا کی کہ اے اللہ ! جو شخص رمضان کی یہ گھڑیاں پائے اور پھر بھی اس کی بخشش نہ ہو، پھر بھی اس کی معافی نہ ہو، اے اللہ ! تو اسے ہلاک کر دے۔ تو اللہ کے پیغمبر ﷺ کہنے لگے کہ اے اللہ اسے ہلاک کر دے۔

سوچنے اور غور کی بات ہے، جبرئیل امین کی بد دعا پر اللہ کے حبیب کا آمین کہنا، ایسے شخص کی ہلاکت میں کیا شک ہے، ایسے شخص کی بربادی میں کیا شک ہے، ایسے شخص کی تباہی میں کیا شک ہے، رمضان میں اللہ اپنے بندے کو نوازنا چاہتا ہے، لیکن یہ بد نصیب ان مقدّس گھڑیوں کے اندر بھی خالی ہاتھ رہا۔۔۔ بڑی محرومی ہے اور پھر جب عام مسلمان کی بد دعا بھی بڑی چیز ہے، ماں باپ کی بد دعا بھی بڑی چیز ہے اور اللہ کے کسی ولی کی بد دعا بھی بڑی چیز ہے، سوچنا چاہیے کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ کی بد دعا کے بعد ہمارے پاس بچا ہی کیا ! اللہ نہ کرے، اس بد دعا کے زیرِ اثر میرے بچے آئیں، میری بچیاں آئیں، میرے گھرانے کا کوئی فرد آئے، میری زندگی اس کے زیرِ اثر آئے، اللہ نہ کرے ایسا ہو ! ! ہم تو نبی ﷺ کی شفاعت کے امیدوار ہیں۔ ہمارے پاس تو نجات کا سہارا ہی آپ کی شفاعت ہے اور اگر آپ کی بد دعا ہو کہ رمضان آیا ہے اور پھر بھی زندگی کا نقشہ تبدیل نہ ہوا ہو۔ کاروباری سیزن لگتے ہیں تو زندگی بتاتی ہے، سیزن لگا ہے۔ رمضان آئے اور زندگی نہ بدلے، کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو اللہ کا مہینا ہے۔ پیارے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے : رمضان کے مہینے میں اللہ اپنے بندوں کا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا دیکھنا چاہتے ہیں، کون کس سے آگے بڑھ رہا ہے، اس امت میں رمضان کے قدر دان ایسے بھی گزرے ہیں، جنھوں نے ایک رمضان میں 61-61 قرآن ختم کیے، ایسے تو کئی گزرے ہیں امت میں اور آج بھی امت میں ایسے لوگ موجود ہیں، ایک رمضان میں 30-30 قرآن ختم کیے۔

جو تلاوت کرنی ہے، اسے 30 مرتبہ روزانہ پڑھ لیں، جو رات کو سنانا ہے، اسے 30 مرتبہ روزانہ دہرالیا۔ قریب حال ہی میں ایک بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں، فرماتے ہیں : میری زندگی کے چالیس رمضان ایسے گزرے کہ ہر رمضان میں اللہ نے مجھے تیس قرآن ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور فرمایا کرتے تھے کہ میں روزانہ ایک قرآن سے تھوڑا زیادہ پڑھتا اگر 29 کا چاند آجائے تو میری 30 کی گنتی پوری ہو جائے۔ معاملہ کوئی ایک دو سال کا نہیں، 40 سال گرمی، سردی، صحت، بیماری یہ قدر دان تھے۔۔۔ اور فرمانے لگے : ہمارے گھر کی عورتوں کا بھی یہی حال تھا۔ فرماتے ہیں : ہماری بستی کاندھلہ میں جو بچیاں حافظہ تھیں، ان کے ہاں رمضان میں سونے کا تصور نہیں تھا۔ ان کی ساری رات قرآن پڑھتے ہوئے گزرتی۔ گھر کی عورتیں چکی بھی پیسا کرتی تھیں، آٹا بھی گوندھا کرتی تھیں، کپڑے بھی دھویا کرتی تھیں، گھر کے کام کاج بھی کیا کرتی تھیں اور مقابلہ ہوا کرتا تھا، کتنی تلاوت ہوئی؟ کوئی کہتی آج میرے 18 پارے ہوئے۔ کوئی کہتی 17 پارے ہوئے۔ کوئی کہتی 16 پارے ہوئے، کیا شان تھی گھر کی عورتوں کی۔۔۔

یہ حال ہی کی بات بتا رہا ہوں۔ یہاں میرے بچے بھی ہیں، جب رمضان آتا ہے، ان کی ساری رات کرکٹ میں گزر جاتی ہے۔ لہو و لعب میں گزر جاتی ہے۔ فضول جاگنے میں گزر جاتی ہے۔ سڑکوں بازاروں میں گزر جاتی ہے۔ کیا نسل پیدا ہوئی ہے اور کیا قدر دان گزرے ہیں؟؟

رمضان آیا ہے، سیزن ہے، سیزن میں کچھ ایسی کمائی ہو جائے اور ذرا یہ بھی خیال رہے اپنے دائیں بائیں ذرا نظر اٹھا کر دیکھنا چاہیے، کتنے ہیں جو پچھلے سال ان دنوں میں زمین کے اوپر تھے اور آج منوں من مٹی کے نیچے ہیں۔ ایک سجدہ بھی کرنا چاہیں، ایک سبحان اللہ بھی کہنا چاہیں، ایک اللہ اکبر کا ثواب بھی لینا چاہیں، اب فرصت کوئی نہیں رہی۔ بھائی ! اب حسرت ہی حسرت ہے ! ! ! کتنے ایسے ہیں اور کیا پتا بھائی ! کون، کب تک جیتا ہے؟ اللہ رب العزت ہمیں اس رمضان کی خوب قدر دانی نصیب فرمادے، کچھ ایسے گزار لو بھائی ! کچھ ایسا کر لو کہ ہمارے گھروں کا نقشہ بدل جائے۔ ہمارے بچوں کی زندگیاں بدل جائیں۔ اللہ کرے ہماری زندگیوں کا رخ بدل جائے۔ کچھ ایسا یہ رمضان گزر جائے۔ اللہ ہم سب کے لیے رحمتوں کا، برکتوں کا، بخشش کا ذریعہ بنادے۔ آمین ! !

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

حذیفہ رفیق

حضرت داؤد طائیؒ دوسری صدی کی ابتدا میں کوفہ میں پیدا ہوئے، جس وقت انھوں نے ہوش سنبھالا اس وقت کوفے میں علم کا خوب چرچا تھا۔ سینکڑوں بڑے علما کے کوفے میں عظیم علمی حلقے لگتے تھے، لوگ دور دراز سے کوفہ آکر علم حاصل کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور دیگر بڑے حضرات ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے تھے۔

انھوں نے ابتدائی زندگی میں علم حاصل کیا اور تمام علوم میں خوب مہارت حاصل کرلی۔ حدیث، نحو، فقہ، انساب تمام ہی علوم پر اچھی گرفت حاصل کرلی، اس کے بعد فقہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے امام ابو حنیفہؒ کے حلقے میں حاضری ہونے لگی اور پھر فقہ میں بھی اس قدر ماہر ہوگئے کہ امام ابو حنیفہؒ کی موجودگی میں بھی بسا اوقات مسائل بتایا کرتے تھے۔

لیکن پھر ان کی زندگی میں ایک انقلاب آیا، جس کے بعد انھوں نے علمی حلقوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور خلوت نشینی کی زندگی گزاری اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے لگے۔ ذکر، عبادت اور دعا کو انھوں نے اپنا مشغلہ بنالیا۔ لوگوں سے ملنا جلنا بھی بالکل کم کردیا تھا۔ زندگی کا ساز و سامان ان کے پاس ایک مسافر جیسا ہی تھا۔ دنیا کے مختصر ترین اسباب میں پوری زندگی گزار دی۔

گم نامی میں زندگی گزاری، اپنے اعمال کو چھپاتے رہے، لوگوں سے کنارہ کش رہے، لیکن اللہ نے اپنی محبت کی خوش بو رکھی ہے، جس کے دل میں اس کی محبت، ہر ایک کو اس سے وہ خوش بو محسوس ہوتی ہے، پھر دل اس کی طرف کھنچتے چلے جاتے تھے۔ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف مڑتے چلے جاتے ہیں، لوگ ان سے ملاقات کی تمنّا کرتے تھے، ان سے ملنے اور استفادے کے لیے بہت کوشش کرتے تھے، کتنی دفعہ تو ایسا ہوتا تھا کہ یہ گھر کے اندر ہوتے تھے اور ایک شخص گھر کے باہر ان سے گفتگو کرلیتا تھا اور یہ وہیں سے اس کو فارغ کردیتے تھے۔ وہ اس کو بھی غنیمت جانتا تھا کہ اس طرح بھی کچھ گفتگو کا موقع تو مل گیا، ورنہ بہت سوں کو تو یہ بھی نہیں ملتا تھا۔

اور جب یہ دنیا سے رخصت ہوئے تو عجیب ہی منظر تھا، سارا شہر اُمڈ آیا، دور دراز سے لوگ ان کے مرض الوفات میں ہی آچکے تھے، تاکہ اگر پیامِ اَجل آپہنچتا ہے تو اس عظیم شخصیت کا جنازہ ہم سے نہ نکل جائے۔

علمی مقام: آپ علوم و فنون کے جامع تھے۔ علوم میں مہارت اور جامعیت کا یہ حال تھا کہ محمد بن قحطبہ کوفے کا امیر بنا کر بھیجا گیا تو اس نے پوچھا مجھے اپنے بچوں کے لیے کسی اتالیق (معلم) کی ضرورت ہے، لیکن وہ صفات کا جامع ہو، حافظِ قرآن ہو، حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں ماہر ہو، صحابہ کے اقوال، فقہ، نحو، عرب کے اشعار، تاریخ ان سب میں مضبوط دسترس رکھتا ہو۔ تحقیق کرکے اس کو بتایا گیا کہ کوفے میں ان سب چیزوں کا ماہر تو صرف ایک ہی انسان ہے اور وہ ہے داؤد طائی۔

محمد بن بشرؒ فرماتے ہیں: داؤد طائی دیہات سے جب حلقے میں حاضر ہوئے تو ہم سب ان پر ہنستے تھے، لیکن ایک وقت وہ آیا جب وہ ہم سب سے آگے بڑھ گئے۔ امام نسائیؒ کی مشہور کتاب سنن نسائی شریف میں ان کی روایت ہے۔

زندگی کا انقلاب: داؤد طائی امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور علم حاصل کرتے تھے، اسی دوران کچھ ایسے واقعات پیش آئے، جس سے ان کی زندگی کا رُخ کسی اور طرف مڑ گیا اور وہ گویا کسی اور اونچے مقصد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

ایک دفعہ قبرستان میں جا پہنچے، وہاں قبر کے پاس ایک شخص یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

مُقِيمٌ إِلَى أَنْ يَبْعَثَ اللهُ خَلْقَهٗ ... لِقَائُكَ لَا يُرْجٰى وَأَنْتَ قَرِيْبُ

تَزِيْدُ بَلًى فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ... وَتَسْلٰى كَمَا تَبْلٰى وَأَنْتَ حَبِيْبُ

جب تک اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ نہیں کریں گے، یہ یہیں رہیں گے، تم قریب ہو، لیکن اس کے باوجود تم سے ملاقات ممکن نہیں، شب و روز تمہاری بوسیدگی بڑھتی چلی جارہی ہے اور دل تمہاری دوری کا عادی ہوتا چلا جارہا ہے۔ قبرستان میں یہ اشعار سن کر کیفیت ہی بدل گئی۔

داؤد طائی بہت فصیح انسان تھے، بہت عمدہ گفتگو فرماتے تھے، عربی لغت کے بہت ماہر تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، لیکن بالکل خاموش رہتے تھے، بغیر شدید ضرورت کے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ ایک سال اس طرح گزرا، وہ خود فرماتے ہیں کہ اس دوران کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تھا کہ مجھے ایسی بے چینی ہوتی تھی مسئلہ بتانے کی جیسے کہ پیاسا بے چین ہوتا ہے پانی کو دیکھ کر، لیکن میں جواب نہیں دیتا تھا۔

اس طرح ایک سال گزارنے کے بعد پھر انھوں نے مستقل خلوت نشینی اختیار کرلی۔ اس کے بعد وہ بہت کم گھر سے باہر نکلتے، صرف فرض نماز کے لیے مسجد میں جاتے اور اس کے علاوہ گھر میں ہی رہتے تھے، عبادت، ذکر اور دعا میں مشغول رہتے۔

رات کی نماز: ان کے ایک پڑوسی بتاتے ہیں کہ ہمارے اور داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر

کے درمیان چھوٹی سی دیوار تھی، تقریباً رات کا اکثر حصہ ان کے رونے کی ہلکی ہلکی آواز آتی رہتی تھی اور ان کی رات کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی:

اَللّٰھُمَّ ھَمُّكَ عَطَّلَ عَلَيَّ الْھُمُوْمَ، وَحَالَفَ بَيْنِي وَبَيْنَ السُّھَادِ، وَشَوَّقَنِيْ اِلَى النَّظَرِ اِلَيْكَ وَمَنَعَ مِنِّي الشَّھَوَاتِ، فَاَنَا فِي سِجْنِكَ اَيُّھَا الْكَرِيْمُ الْمَطْلُوْبُ

"اے اللہ! آپ کے غم نے سارے غم ختم کر دیے ہیں اور میری آنکھوں سے نیند کو ختم کر دیا ہے اور میرے اندر آپ کے دیدار کا شوق پیدا کر دیا ہے اور مجھے شہوات سے روک دیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اے کریم مولا! میں آپ کی (محبت کی) قید میں ہوں۔"

اور کبھی کبھار رات کے آخری پہر پُر سوز اور درد بھرے لہجے میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تھے۔ پڑوسی کہتے ہیں: وہ آواز سن کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ دنیا کی ہر نعمت و لذّت اس وقت اس سوز بھری آواز کے سامنے ہیچ ہے۔

استغنا اور بے نیازی: محمد بن قحطبہ علاقے کا گورنر تھا اور داؤد طائیؒ کا رشتے دار تھا، لیکن داؤد طائیؒ اہلِ ثروت اور اہلِ مناصب سے میل جول بالکل نہیں رکھتے تھے، نہ ہی ان کا ہدیہ قبول کرتے تھے کہ اس کی وجہ سے بعد میں ان اہلِ اقتدار لوگوں کے لیے دینی مسائل میں نرمی دکھانی پڑتی ہے، چناں چہ محمد بن قحطبہ ان کو ایک ہزار دینار بھجوانا چاہتا تھا، لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ کسی صورت قبول نہیں کریں گے، لہٰذا اس نے امام ابو حنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد بن ابو حنیفہ سے درخواست کی کہ وہ یہ رقم بطورِ ہدیہ داؤد طائیؒ کے پاس لے کر جائیں۔ اسماعیلؒ نے کہا: وہ ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ امیر نے کہا: تم ان کی منّت سماجت کرنا۔ بہر حال! وہ لے کر پہنچے اور داؤد طائیؒ سے کہا: آپ کی اور محمد بن قحطبہ کی رشتے داری ہے، وہ اس رشتے داری کو نبھانے کے لیے آپ کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتا ہے اور وہ ہدیہ میں لے کر آیا ہوں۔

داؤد طائیؒ یہ سن کر غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے: اگر تمہارے علاوہ کسی اور نے ایسا کیا ہوتا تو ساری عمر اس سے بات نہیں کرتا، لے جاؤ اور جا کر اس سے کہو کہ جن لوگوں کا یہ مال ہے، انھیں ہی واپس لوٹا دے، وہ لوگ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

اُمرا، وزرا اور سلاطین کی جانب سے عوام پر جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے، وہ دراصل رعایا کی امانت ہوتی ہے، اس کے خرچ میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی سے قیامت کے دن کی جواب دہی لازمی آتی ہے، اسی وجہ سے بہت سے علما اور نیک لوگ اہلِ اقتدار اور رؤسا سے تعلقات قائم نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ان کا ہدیہ قبول کرتے تھے۔ داؤد طائیؒ نے بھی اس موقع پر وہی جواب دیا جو امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیزؒ نے دیا تھا، جب ان کے برادرِ نسبتی مسلمہ بن عبد الملک ان کی وفات سے کچھ پہلے ان کے لیے ایک لاکھ دینار لے کر آئے تھے تو امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا تھا:

اَوَخَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ يَا مُسْلِمَةُ اَنْ تَرُدَّھَا مِنْ حَيْثُ اَخَذْتَھَا

"مسلمہ! اس سے بہتر بات بتاؤں؟ اس کو وہیں لوٹا دو جہاں سے لیا ہے۔"

دنیا سے بے رغبتی: وراثت میں کچھ مال اور گھر ملا تھا، ساری زندگی اسی گھر میں گزار دی، کئی سال تک انہی پیسوں پر گزارا ہوتا رہا، جب وہ پیسے ختم ہو گئے تو گھر کا سامان بیچنا شروع کیا، اُس زمانے میں گھروں کی چھتیں چھپر کی ہوتی تھیں، یعنی درخت کا تنا کاٹ کر اس کا شہتیر بنایا جاتا اور اس کے اوپر بانس بچھا دیے جاتے، پھر اس کے اوپر چٹائی، بوریاں اور کھجور کے پتے پھیلا دیے جاتے تھے اور اس پر اینٹیں رکھ دی جاتی تھیں۔ جب ہاتھ بالکل تنگ ہو گیا تو گھر کی چھت کی چٹائیاں، بوریاں اور اینٹیں بیچنا شروع کر دیے، یہاں تک کہ وفات کے وقت آدھی چھت ختم اور خالی ہو چکی تھی اور آدھی چھت باقی تھی۔

عبد اللہ بن صالح بن مسلم عجلی کہتے ہیں: میں داؤد طائی کے پاس مرضِ وفات میں گیا۔ ان کے گھر میں ایک برتن تھا، جس میں روٹی تھی، وضو کے لیے ایک لوٹا تھا اور ایک بڑی سی اینٹ تھی جو ان کا سرہانہ اور تکیہ تھا اور وہی ان کے لیے ٹیک لگانے کا سہارا بھی تھا اور پورے گھر میں چٹائی یا بچھونے نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اسی وجہ سے ان کی پیٹھ پر نشانات پڑ چکے تھے۔

مرض الوفات: مرضُ الوفات کی ابتدا یوں ہوئی کہ رات قرآنِ پاک کی آیت پڑھی، جس میں جہنم کا ذکر تھا۔ ساری رات اس کو دہراتے رہے، صبح کے وقت طبیعت بہت خراب ہو چکی تھی، بار بار بے ہوش ہو جاتے، کئی دفعہ بالکل نزع کی سی کیفیت پیدا ہو گئی، قریب یا دور سے جو بھی سنتا کہ داؤد طائی حالتِ نزع میں ہیں، فوراً ان کے گھر کی جانب چل پڑتا، اس طرح ان کے گھر کے آس پاس ہجوم جمع ہوتا چلا گیا، ہر تھوڑے وقفے کے بعد ایسا لگتا تھا جیسے کہ روح قبض ہو چکی ہے، لوگ جنازے میں شرکت کے لیے جمع ہوتے چلے جا رہے تھے اور انتظار کر رہے تھے۔

عجیب منظر تھا۔ وہ شخص جس نے زندگی کا بیشتر حصہ تنہائی میں، خلوت نشینی میں، عزلت پسندی میں گزار دیا، جو لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا، لوگوں کے پاس آنا جانا گوارا نہیں کرتا تھا بلکہ اپنے پاس بھی کسی کو نہیں آنے دیتا تھا کہ کہیں لوگوں کی آمد و رفت میری شہرت کا اور واہ واکا ذریعہ نہ بن جائے اور کسی کا ہدیہ بھی قبول نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ اپنے محبوب استاذ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے حماد بن ابو حنیفہ کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اگر کسی کا ہدیہ قبول کرتا تو آپ کا کرتا، حالاں کہ اس وقت وہ فاقہ سے تھے۔

یہ سب قربانیاں اللہ کے لیے، اخلاص کے ساتھ دیں اور اپنی آخرت سنوارنے کی پوری فکر کی اور اس کا حق ادا کیا تو اللہ نے آخرت سے پہلے دنیا میں دکھا دیا کہ لوگ ان سے کیسی محبت کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کو فرشتوں کا محبوب بنا دیتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں۔

یونس بن عروہ کہتے ہیں: داؤد طائیؒ کے جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ میرے جوتے ٹوٹ گئے اور میرے کندھے سے چادر اتر گئی اور دونوں چیزیں ہجوم کی کثرت کی وجہ سے گم ہو گئیں۔

ابن السماک (ایک بڑے محدّث ہیں) جنازہ دیکھ کر فرمانے لگے: اے داؤد! تم نے علما کو بہت پیچھے چھوڑ دیا (یعنی اب کوئی عالم بھی نیکی اور تقویٰ میں، توکّل میں، استغنا میں، اخلاص میں تمہارے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا) اے داؤد! تم نے وقت سے پہلے ہی اپنے نفس کو قید کر لیا اور اس سے پہلے اس کا محاسبہ ہوتا تم نے اپنے نفس کا محاسبہ کر لیا، آج تم وہ ثواب دیکھو گے، جس کا یقین رکھ کر تم نے تمام عمر مشقتوں میں کاٹ دی۔

انتہا پسندی
اسباب اور سدباب

سعد صالح

کسی مسئلے میں اپنی فکر کو حتمی و حرفِ آخر سمجھ کر اسے منوانے کے لیے زور زبردستی، تشدّد کا راستہ اختیار کرنا اور مخالف کی بات کو بالکل غلط قرار دینا "انتہا پسندی" کہلاتا ہے۔ اسے عربی زبان میں "غلوّ" کہا جاتا ہے، جس کا مطلب عربی لغت کے مطابق "حد سے تجاوز کرنا" ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کے لیے جو نظامِ زندگی مقرر کیا ہے، وہ انتہا پسندی کی بالکل اجازت نہیں دیتا، نہ اس میں افراط کی گنجائش ہے اور نہ ہی تفریط کی۔ یہ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے، جسے خدا کی زبانی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا ترجمہ "اور اسی طرح ہم نے تمھیں امتِ وسط یعنی معتدل بنایا ہے۔" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اپنی بات منوانے کے لیے تشدّد کے راستے کو اختیار کرنے یا مقابل کی تردید میں حد سے تجاوز کرنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، جن اقوام کی ہلاکت کا قرآن میں تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں کسی نہ کسی طور پر انتہا پسندی کی خرابی قدرِ مشترک کے طور پر ضرور موجود تھی۔ اس وقت دنیا کے تقریباً تمام اقوام و مذاہب بلا تفریق انتہا پسندی کا شکار ہیں، یعنی یہ دورِ حاضر کا ایک عالم گیر اور ہمہ گیر مسئلہ بن چکا ہے۔ بین الاقوامی حالات پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ انتہا پسندی کا جو الزام مسلمانوں کو دیا جاتا ہے اور جو انھیں ساری دنیا کی بدامنی کا ذمے دار ٹھہرایا جاتا ہے، وہ محض ایک پروپیگنڈا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے انتہائی شدّ و مد کے ساتھ تشدّد اور جبر کا راستہ روکا ہے اور اپنے متبعین کو برائی کا بدلہ بھی اچھائی سے دینے کا پابند بنایا ہے، جیسا کہ قرآن میں ذکرِ خداوندی ہے: وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ترجمہ "اور ان کے ساتھ بحث کیجیے، اس طریقے سے جو زیادہ بہتر اور اچھا ہے۔" قرآن و حدیث اور حضور اکرم ﷺ و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ اس بات کی کھلی گواہی دیتا ہے کہ مسلمانوں پر یہ الزام دنیا کا بدترین جھوٹ ہے، جسے ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ دیکھا جائے تو اس وقت دنیا میں انتہا پسندی عروج پر ہے۔ تہذیبوں کے تصادم کی اس صدی نے سخت قسم کی انتہا پسندی کو جنم دیا ہے۔ ردِّ عمل کے طور پر مسلمانوں میں بھی یہ چیز کسی حد تک پیدا ہو گئی ہے، مگر بنیادی طور پر اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ عارضی طور ان عوامل کا نتیجہ ہے جو دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رچائی جانے والی سازشوں کے لیے اختیار کیے گئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ دنیا میں پھیلی اس انتہا پسندی کا سبب کیا ہے؟ کرۂ ارض کے خطے خطے میں یہ جنونیت کیوں کر پیدا ہوئی؟ کوئی بھی قوم اس مرض سے خالی کیوں نہیں ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس کے مختلف النوع اسباب ہو سکتے ہیں۔ ان کی کوئی حتمی فہرست یقین کے ساتھ تیار نہیں کی جاسکتی، البتہ تلاش سے معلوم ہوا ہے کہ کچھ وجوہ مشترکہ طور پر سب میں پائی جاتی ہیں۔ انھیں ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

1 انتہا پسندی کے اسباب میں غور و فکر کرنے سے میڈیا کا کردار سرِ فہرست نظر آتا ہے۔ میڈیا کے منفی استعمال، اشتعال انگیز مواد کی تشہیر اور سیاسی مفادات کے حصول کے لیے اس کے ذریعے کیے جانے والے پروپیگنڈے نے لوگوں میں انتہا پسندی کو جنم دیا ہے۔ دنیا بھر میں ہزاروں چینل روزانہ چوبیس گھنٹے مختلف قسم کے پروگرام نشر کرتے ہیں، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ غالب اکثریت کے ساتھ لوگوں کی بہت بڑی تعداد ٹی وی کی وجہ سے اپنے کھانے پینے، سونے، کام کرنے اور لکھنے پڑھنے کے اوقات تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی قوتِ فیصلہ پر بھی ٹی وی اثر انداز ہوتا ہے۔ شعوری اور غیر شعوری طور پر میڈیا سے سب سے زیادہ نوجوان نسل متاثر ہو رہی ہے۔ فحاشی عریانی اور اخلاق باختہ پروگراموں نے نوجوان نسل کو جنسی ہیجان میں مبتلا کر دیا ہے۔ میڈیا کے ذریعے مخصوص نظریات، مخصوص تہذیب و ثقافت کو رائج کرنے کی کوششوں نے مخالفین کو انتہا پسندی پر مجبور کر دیا ہے۔ ردِّ عمل کے طور پر دہشت گردی، قتل و غارت گری اور تشدّد کے راستے نے جنم لیا، جس سے دنیا کا امن شدید طور پر متاثر ہو چکا ہے۔ بالخصوص سوشل میڈیا تک ہر شخص کی رسائی ممکن ہونے کی وجہ سے چھوٹے بڑے تمام اختلافات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے، جس سے ایک بے فائدہ اور ضرر رساں مباحثے کا سلسلہ چل پڑتا ہے، جس کا انجام ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے اظہار پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر معاملے میں ایرے غیرے ہر شخص کی رائے دہی معاملات کو سلجھانے کی بجائے مزید الجھاتی چلی جاتی ہے۔

2 دوسرا سبب دولت کی غیر منصفانہ تقسیم یعنی مصنوعی غربت کا پھیلاؤ بھی ہے جو دنیا کے اکثر ممالک بلکہ عالمی دنیا کا بنیادی مسئلہ ہے۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام نے دولت کو چند افراد کی مٹھی میں دے دیا ہے، جس کے باعث غریب طبقہ دو وقت کی روٹی کے لیے ایک طرح سے سرمایہ داروں کی غلامی پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ایک برطانوی نشریاتی ادارے کی جانب سے کرائے جانے والے ایک عالمی جائزے میں غربت کو دنیا کا سب سے اہم اور سنجیدہ مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ اس وقت دنیا کے کروڑ ہا افراد خطِ غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ سروے کے مطابق وقت کے ساتھ وسائل میں کمی اور غربت میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ غریب لوگ جن کے پاس مالی وسائل مفقود ہیں،

ان کے سینوں میں امیروں کے خلاف بغاوت کے جذبات بھرے ہوئے ہیں۔ غربت کی وجہ سے معاشرہ معاشی درجہ بندی میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک وہ طبقہ ہے جس کے پاس سب کچھ ہے اور دوسرا طبقہ غریبوں کا ہے جو بنیادی ضروریاتِ زندگی سے بھی محروم ہیں۔ دونوں طبقات میں ایک دوسرے کے خلاف تصادم کی آگ بھڑک رہی ہے۔ غربت کی وجہ سے امیر اور غریب میں ٹکراؤ پایا جاتا ہے، جس سے معاشرے میں بد نظمی اور انتشار واقع ہوا ہے۔ غربت کی وجہ سے معاشرے میں خاص طور پر مالی جرائم ہوتے ہیں اور بہت سے افراد چوری، ڈاکا، مویشی چوری، جیب تراشی، دھوکا اور لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔ اس طرح انتہا پسندی اور تشدّد و قتل و غارت گری معاشرے میں ناسور کی طرح پھیل چکی ہے۔

3 انتہا پسندی کے اسباب میں ایک سبب اسٹیٹس کی دوڑ بھی ہے۔ دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے سے مقابلہ بازی اور حرص و لالچ نے لوگوں کو ہر جائز و ناجائز ذریعہ اختیار کرنے پر جری کر دیا ہے۔ اپنی آمدن اور وسائل کے مطابق زندگی بسر کرنے کی بجائے لوگ اسٹیٹس کی دوڑ میں لگے رہتے ہیں۔ ہر شخص کی ممکنہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان ایک ممتاز شان و شوکت قائم کرے۔ دکھلاوے اور داد و تحسین سمیٹنے کی خاطر ایسے افراد کوئی بھی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کرتے، چوں کہ اس دوڑ کی کوئی انتہا نہیں ہے اور کوئی شخص لاکھ چاہ کر بھی اپنی حرص و ہوس کو پوری نہیں کر سکتا، اس لیے نتیجۃً لوگ ذہنی ہیجان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ پھر نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں جو بالآخر انتہا پسندی کا باعث بن جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو اسٹیٹس کی اس دوڑ کا مرکزی مجرم بھی میڈیا ہی ہے جو اس چیز کو شعوری و غیر شعوری طور پر دیکھنے والوں کے دماغ میں منتقل کر دیتا ہے۔

4 ایک سبب جہالت بھی ہے۔ ناخواندگی دورِ حاضر کے بڑے مسائل میں شامل ہے۔ مختلف خبر رساں اداروں کی رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ آج بھی دنیا بھر میں 781 ملین یا 78 کروڑ سے زائد بالغ انسان لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے بالکل محروم ہیں۔ اگر بچوں کو بھی شامل کر دیا جائے تو یہ تعداد ایک ارب سے تجاوز کر جاتی ہے۔ ان انسانوں کی بہت بڑی اکثریت غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملکوں میں رہتی ہے اور یہ افراد کرۂ ارض پر انسانی آبادی کا وہ حصہ ہیں، جنہیں کبھی کسی اسکول میں تعلیم کا کوئی موقع نہیں ملا۔ ایسے افراد کو "بنیادی ناخواندگی" کے شکار انسان کہا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں اصل لڑائی نہ تو ادیان کی ہے نہ مسالک و مذاہب کی۔ اصلی و حقیقی جنگ شعور اور جہالت کے درمیان برپا ہے۔ جہاں جہاں جتنی جتنی جہالت ہے وہیں وہیں اتنی ہی شرح سے جنونیت، منافرت، دشمنی اور تعصب نے پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔

ان چند کے علاوہ انتہا پسندی کے مزید اسباب بھی ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر یہ چار اسباب کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ انتہا پسندی کا خاتمہ کیسے کیا جائے؟ کیا اس متشددانہ ذہنیت کو اعتدال کی طرف لانا ممکن ہے؟ کیا دنیا کے ہر خطے میں پایا جانے والا عدم برداشت ختم ہو سکتا ہے؟ ان سوالوں کا جواب ہاں میں ہے۔ انتہا پسندی، تشدّد اور عدم برداشت کو معاشرے سے بالکل ختم کیا جا سکتا ہے، یہ کوئی ناممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے ان اقدامات کی ضرورت ہے جو مذکورہ بالا اسباب کو ختم کر دیں۔ اس کام کے لیے سب سے پہلے میڈیا کے منفی کردار کو کنٹرول کرنا ہوگا۔ دنیا اس وقت گلوبل ولیج بن چکی ہے۔ تمام انسانوں تک کوئی بھی پیغام لمحوں میں پہنچانا صرف ایک بٹن دبانے کی مشقت مانگتا ہے۔ میڈیا کی بے لگام آزادی کو ختم کر کے اسے حدود و قیود کا پابند کیا جانا چاہیے۔ تمام مذاہب اور تمام اقوام کو یکساں احترام دینا ناگزیر ہے۔ سیاسی مفادات، مذہبی مفادات وغیرہ کے لیے رچائے جانے والے پروپیگنڈے بہر صورت ختم کرنے ہوں گے۔ اس حوالے سے ایک جامع منصوبہ بندی، قانون سازی اور اس کے عملی نفاذ کو یقینی بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں میڈیا کے مثبت استعمال اور پروپیگنڈوں سے بچاؤ کے لیے عامۃ الناس میں آگاہی پھیلانا بھی ضروری شمار ہوگا۔ میڈیا اگر اپنا منفی کردار ختم کر کے مثبت کردار ادا کرنا شروع کر دے تو دنیا سے انتہا پسندی کا خاتمہ یقیناً ممکن ہو جائے گا۔ میڈیا کے منفی کردار کو روکنے کے ساتھ دنیا سے غربت کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ دولت کی منصفانہ تقسیم انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے ناگزیر ہے۔ امیر و غریب میں بے انتہا فاصلے ختم کرنے ہوں گے۔ بنیادی انسانی ضروریات کی ہر شخص تک رسائی یقینی بنانا ہوگی اور غریب ممالک کا استحصال روکنا ہوگا۔ دنیا پر گنے چنے ممالک کی چودھراہٹ اور جابرانہ قبضے نے بہت سارے مسائل کو جنم دے رکھا ہے۔ اس حوالے سے اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی اداروں کو اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح لوگوں کو اسٹیٹس کی دوڑ میں لگنے کی بجائے دست یاب وسائل کے تحت زندگی گزارنے پر آمادہ کرنا اس مسئلہ کو حل کر سکتا ہے۔ قناعت اور ضرورت کی تکمیل بقدرِ ضرورت کے تحت زندگی گزارنے سے لوگوں کو ذہنی سکون میسر ہو سکتا ہے۔ کفایت شعاری کی ترغیب اور جائز طریقوں کو اختیار کرنے پر لوگوں کی حوصلہ افزائی اس انتہا پسندی میں واضح کمی لا سکتا ہے۔

نیز انسانوں میں شعور پیدا کرنے کے لیے علم کی شمع روشن کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا بھر سے ناخواندگی کے خاتمے کے لیے ترجیحی بنیادوں پر کام کرنا ناگزیر ہے، جس قدر تعلیم عام ہوگی، اس قدر شعور بے دار ہوگا جس کے نتیجے میں انتہا پسندی کا خاتمہ یقینی ٹھہرے گا۔ لوگوں میں برداشت کا مادہ پیدا ہوگا اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام کیا جائے گا۔ درج بالا تقاضوں کو پورا کیے بغیر ایک پُرامن اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل ممکن نہیں۔ جب تک مرض کا علاج نہ کیا جائے، معاشرہ صحت مند نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ہم سب کو اپنی ذمے داریاں ادا کرنا پڑیں گی۔

درج بالا تمام مسائل کا یہ حل اسلامی نظام میں بدرجۂ اتم موجود ہے، جس میں اظہارِ رائے کی واضح حدود متعین کی گئی ہیں، دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا گیا ہے۔ اسٹیٹس کی دوڑ میں لگنے کی بجائے قناعت اور مال خرچ کرنے پر زور دیا گیا ہے اور حصولِ علم کو فرض کا درجہ دیا گیا ہے۔ قصہ مختصر!! اسلامی نظام کے عملی نفاذ سے ایک پُرامن اور اعتدال پسند معاشرے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ یہ محض ایک دعویٰ نہیں ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ کی ریاستِ مدینہ اور خلفائے راشدین کے عہدِ مبارک میں اس کا کام یاب تجربہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کارِ خیر میں اپنا حصہ ملانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

ندا اختر

حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی تھیں اور ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ بعثت سے قبل ان کی ولادت ہوئی ان کی شادی اپنے خالہ زاد ابو العاص بن الربیع کے ساتھ ہوئی۔ان کی والدہ ہالہ بنتِ خویلد حضرت زینبؓ کی خالہ تھیں۔

حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس شادی کی درخواست کی تھی اور آپ ان کی بات ٹالتے نہیں تھے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے سے قبل پیش آیا اور آپ ﷺ نے ان دونوں کی شادی کر دی۔ حضرت خدیجہؓ ان کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز رکھتی تھیں۔

پھر جب آپ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو حضرت خدیجہؓ اور چاروں بیٹیوں نے آپ ﷺ کی تصدیق فرمائی اور ایمان لے آئیں اور گواہی دی کہ ان کا دین حق ہے جب کہ ابو العاص اپنے شرک پر قائم رہے۔

مشرکین مکہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: "اپنی بیوی کو چھوڑ دو، قریش کی جس عورت سے چاہو گے ہم تمہاری شادی کر دیں گے" انھوں نے جواب دیا: "قسم خدا کی! نہیں۔۔۔ میں اپنی بیوی کو ہر گز نہیں چھوڑوں گا اور میں نہیں سمجھتا کہ قریش کی کوئی عورت میری بیوی کی جگہ لے سکتی ہے۔"

آپ ﷺ اپنے داماد کو بہت بھلا مانتے تھے، چناں چہ جب جنگِ بدر کے بعد مشرکین کے ساتھ ساتھ ابو العاص کو بھی اسیر بنالیا گیا تو اہلِ مکہ نے اپنے اپنے اسیروں کی رہائی کے لیے فدیہ بھیجا، حضرت زینبؓ نے بھی ابو العاص بن الربیع کی رہائی کے لیے فدیہ بھیجا اور اس میں حضرت خدیجہؓ کا ایک ہار بھی بھیجا جو ظفار کے مہروں سے بنا تھا۔ ظفار یمن میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے اور یہ ہار حضرت خدیجہؓ نے حضرت زینبؓ کو شادی کے وقت دیا تھا۔

آں حضرت ﷺ نے وہ ہار پہچان لیا، آپ ﷺ کا دل پسیج گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اس قیدی کو رہا کر دو اور اس کا مال واپس لوٹا دو۔" صحابہ کرام نے کہا: "بالکل یا رسول اللہ (ﷺ)!" اور انھیں آزاد کر کے ان کا مال بھی واپس لوٹا دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے یہ شرط رکھی کہ وہ زینبؓ کو آزاد کر دیں اور مدینہ بھجوا دیں، چناں چہ جب ابو العاص رہائی پا کر وہاں سے روانہ ہو گئے تو آپ ﷺ نے زید بن حارثہؓ اور انصار کے ایک شخص کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم یاجج کے مقام پر انتظار کرنا (یہ مکہ سے آٹھ میل کی دوری پر واقع ایک مقام ہے) یہاں تک کہ زینبؓ وہاں سے گزریں تو انھیں اپنے ساتھ لے کر میرے پاس آنا۔

وہ دونوں اسی وقت وہاں سے نکل گئے۔ یہ واقعہ جنگِ بدر کے لگ بھگ ایک ماہ کے بعد کا ہے، جب ابو العاص مکہ پہنچے تو انھوں نے حضرت زینبؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے والد کے پاس چلی جائیں، انھوں نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں، جب ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ان کے دیور کنانہ بن الربیع ان کے لیے ایک اونٹ لے کر آئے، جس پر وہ سوار ہو گئیں اور ان کے دیور نے اپنی کمان اور ترکش سنبھالے اور ان کے آگے چل دیے، حضرت زینبؓ ہودج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

اس واقعے کی اطلاع قریش کے لوگوں کو ہو گئی تو وہ ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ "ذی طور" میں انہیں پالیا۔ سب سے پہلے ھبار بن الاسود بن المطلب ان کی طرف بڑھا اور انھیں نیزے سے دھمکایا جس سے حضرت زینبؓ جو امید سے تھیں، ایک پتھر پر گر پڑیں اور ان کا حمل ضائع ہو گیا۔ ان کے دیور کنانہ نے فوراً اپنی سواری کو بٹھایا اور اپنا ترکش سنبھالتے ہوئے کہا۔۔۔ قسم خدا کی! کوئی بھی میرے قریب آیا تو میں تیر اس کے جسم کے آر پار کر دوں گا، یہ سن کر وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ ابو سفیان نے آگے بڑھ کر کہا: "اے آدمی! اپنا تیر کمان پیچھے ہٹا، تاکہ ہم کچھ بات کر سکیں تو انھوں نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا ابو سفیان نے کہا تم نے اچھا نہیں کیا، دن دہاڑے عورت کو لے کر نکل پڑے جب کہ تم جانتے ہو کہ محمد نے ہمارے لیے کیا کیا مصیبتیں کھڑی کر رکھی ہیں، اب اگر تم اس کی بیٹی کو ہمارے درمیان میں سے اس طرح دن دہاڑے ڈنکے کی چوٹ پر نکال کر لے جاؤ گے تو یہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ ان کی کم زوری ہے اور قسم خدا کی! ہم اسے اس کے باپ سے دور نہیں رکھنا چاہتے اور نہ ہی ہماری نیت کسی

قسم کا بدلہ لینے کی ہے، مگر ابھی تم اسے واپس لے جاؤ، جب تک کہ معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے اور لوگ یہ سمجھیں کہ ہم اسے واپس لے گئے ہیں، پھر تم چپکے سے اسے لے جانا اور اس کے باپ کے پاس پہنچا دینا۔ (یاد رہے حضرت ابو سفیان نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ اسلام لائے رضی اللہ عنہ)

انھوں نے ایسا ہی کیا اور کچھ دنوں کے بعد جب شور شرابہ کم ہو گیا تو رات میں چپکے سے انھیں لے کر نکلے اور زید بن حارثہؓ اور ان کے ساتھی کے حوالے کر دیا، جو انھیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ابو العاص مکہ میں ہی رہے، جب کہ حضرت زینبؓ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس رہیں، کیوں کہ اسلام کی بنیاد پر دونوں کے درمیان علاحدگی واقع ہو چکی تھی۔

پھر فتح مکہ سے کچھ عرصے پہلے ابو العاص تجارت کی غرض سے شام کے لیے روانہ ہوئے، ان کے پاس اپنے علاوہ قریش کے کچھ لوگوں کی بھی امانتیں تھیں، پھر جب وہ اپنا کام نمٹا کر واپس آ رہے تھے تو راستے میں انھیں رسول اللہ ﷺ کے ایک فوجی دستے نے روکا اور ان کا سارا مال و متاع ضبط کر ڈالا، خود ابو العاص ان سے بچ کر نکل گئے۔

جب فوجی دستہ ان کا مال و متاع لے کر آیا تو ابو العاص رات کے اندھیرے میں حضرت زینبؓ کے پاس آئے اور ان سے پناہ کی درخواست کی، انھوں نے انھیں پناہ دے دی تو انھوں نے اپنا مال و متاع واپس طلب کیا۔

پھر جب آں حضرت ﷺ فجر کی نماز کے لیے نکلے اور اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے بھی ساتھ میں اللہ اکبر کہا تو حضرت زینبؓ نے عورتوں کی ڈیوڑھی سے چیخ کر کہا: "اے لوگو! میں نے ابو العاص بن الربیع کو پناہ دی ہے، پھر جب آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیرا تو لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے فرمایا: "قسم اس ذات کی! کہ جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، یہ سننے سے پہلے جو کچھ تم نے بھی سنا، مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا۔ پھر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے اور اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا پیاری بیٹی اس کی خاطر داری کرو، مگر خیال رہے کہ وہ تمہارے ساتھ تنہا نہ رہے کہ اب تم اس کے لیے حلال نہیں رہی ہو۔" پھر آپ ﷺ نے اس فوجی دستے کو بلا بھیجا اور ان سے کہا" جیسا کہ تم لوگ جانتے ہو یہ شخص ہم میں سے ہے اور تم لوگوں کے ہاتھ اس کا مال و متاع لگا ہے تو اگر تم بھلائی کر کے اس کا مال و متاع اسے لوٹا دو تو ہمیں خوشی ہو گی اور اگر تم انکار کرو گے تو یہ اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے، جس کے تم حق دار ہو تو انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اسے لوٹانا پسند کریں گے اور یہ کہہ کر ان کا سارا مال و متاع جوں کا توں انھیں واپس لوٹا دیا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت زینبؓ نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ ابو العاص اگر قریب ہیں تو چچازاد ہیں اور اگر دور ہیں تو بچے کے باپ ہیں اور میں نے انھیں پناہ دی ہے۔

روایت ہے کہ لوگوں نے ابو العاص سے کہا: اے ابو العاص! آپ کا قریش میں بڑا اونچا مقام ہے اور آپ رسول ﷺ کے عم زاد بھی ہیں اور داماد بھی تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اسلام قبول کر لیں اور آپ کے پاس جو بھی اہلِ مکہ کا مال و متاع ہے، وہ آپ کا ہو جائے تو انھوں نے کہا کہ میں اپنا اسلام اتنی بڑی برائی سے شروع کروں؟ امانت میں خیانت کر کے کیا بدترین مشورہ تم لوگوں نے مجھے دیا ہے پھر ابو العاص وہاں سے مکہ آئے اور سب کو ان کی امانتیں لوٹا دیں اور کہا: اے قریش کے لوگو! کیا تم میں سے کسی کا کوئی حق میرے پاس رہ گیا ہے؟ تو لوگوں نے کہا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائیں۔ ہم نے تمہیں ہمیشہ دیانت دار پایا ہے۔ اس پر ابو العاص نے کہا کہ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اور قسم خدا کی! وہاں مجھے اسلام قبول کرنے سے اگر کسی چیز نے روکا تو وہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہوں، اب جب کہ اللہ کے فضل سے میں نے ہر ایک کا حق ادا کر دیا ہے تو میں اسلام قبول کرتا ہوں، پھر وہاں سے نکل کر حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے حضرت زینبؓ کو پہلے نکاح پر ہی ان کے پاس لوٹا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ مہر نیا مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت زینبؓ کے یہاں ابو العاص سے علی اور امامہ پیدا ہوئے جن میں سے علی تو بلوغ کی عمر کو پہنچتے ہی انتقال کر گئے، جب کہ امامہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں۔ یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت زینبؓ 8 ہجری میں حضور ﷺ کی حیات میں ہی انتقال فرما گئیں اور ان کی موت کا سبب وہ چوٹ تھی جو ان کو اس وقت لگی تھی، جب ھبار بن الاسود نے ان کی اونٹنی کے نیزہ چبھویا تھا اور وہ پتھر پر گر پڑی تھیں اور ان کا حمل ضائع ہو گیا تھا اور خون بھی کافی بہ گیا تھا، وہ آخری وقت تک اسی تکلیف سے نبرد آزما رہیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

Perfect®

FRESHENER

رہو خوشبوؤں میں

Available on daraz: www.daraz.pk/shop/perfect-freshner & pandamart

perfectairfreshener | PFreshener | www.se.com.pk | info@se.com.pk

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

سوال: کیا قاتل کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے؟

جواب: توبہ تو ہر گناہ سے ہو سکتی ہے اور ہر سچی توبہ کو قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمارکھا ہے، لیکن قتل کے جرم سے توبہ کرنے میں کچھ تفصیل ہے، اس کو سمجھ لینا ضروری ہے:

قتل بہت بڑا گناہ ہے، جس کا تعلق بندے کے حق سے بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق سے اس کا تعلق اس طرح ہے کہ جان اور جسم کا رشتہ اللہ تعالیٰ نے جوڑا ہے، جو شخص کسی کو قتل کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے اس فعل میں مداخلت کرتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے کسی کو ناحق قتل کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، لیکن قاتل اس ممانعت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتا ہے۔

بندے کے حق سے قتل کا تعلق دُہرا ہے: ایک تو اس نے مقتول کو ظلم کا نشانہ بنایا، دوسرے مقتول کے لواحقین پر ظلم ڈھایا، اس کی بیوی کا سہاگ اُجاڑ دیا، اس کے بچوں کو یتیم کر دیا، اس کے بہن بھائیوں کا بازو کاٹ دیا اور اس کے اعزہ واقارب کو صدمہ پہنچایا۔

جب یہ بات معلوم ہوئی کہ قتل میں اللہ تعالیٰ کے حق کی بھی حق تلفی ہے، مقتول کے حق کی بھی اور اس کے وارثوں کی بھی۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ توبہ اس وقت قبول ہوتی ہے جب آدمی کو اپنے جرم پر ندامت بھی ہو اور اس جرم سے جن جن کی حق تلفی ہوئی ہے، ان کا حق یا تو ادا کر دیا جائے یا ان سے معاف کرالیا جائے، لہٰذا قاتل کی توبہ اس وقت قبول ہوگی جب متعلقہ فریقوں سے اس کو معافی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اگر سچے دل سے معافی مانگی جائے تو وہ ارحم الراحمین، غنیٌ مطلق ہیں اور ان کے دربار سے تو معافی مل جائے گی، مقتول دوسرے جہاں میں جاچکا ہے، اس سے معافی کی صورت بس ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ قاتل کی سچی توبہ کو قبول فرما کر مقتول کو اس سے راضی کرادیں اور اس پر جو ظلم ہوا ہے، اس کا بدلہ اپنے پاس سے ادا فرمادیں اور مقتول کے وارثوں کی جو حق تلفی ہوئی ہے، قاتل ان کو معاوضہ دے کے یا بلا معاوضہ معاف کرالے۔ اگر یہ تینوں فریق اس کو معاف کردیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا جرم معاف ہو جائے گا، ورنہ آخرت میں اسے اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ شریعت نے قتل کی جو دنیاوی سزا رکھی ہے، یہ سزا اگر قاتل پر جاری بھی ہو جائے تب بھی آخرت کی سزا سے بچنے کے لیے توبہ ضروری ہے۔

غیر شرعی امور پر مشتمل شادی میں شرکت کرنے کا حکم

سوال: شادی کی ایسی تقریب جس میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جاتا ہو، اس میں شرکت کرنے کا کیا حکم ہے؟ بسا اوقات قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے ان کی ناراضی کا بھی قوی اندیشہ ہوتا ہے اور رشتہ داروں اور متعلّقین سے بائیکاٹ کرنے کا الزام بھی مہمان ہی کے سر لگ جاتا ہے۔

جواب: واضح رہے کہ ایسی تقریبات جو بذاتِ خود جائز ہوں، لیکن ان میں غیر شرعی امور (مثلاً: مخلوط اجتماع، بے پردگی، موسیقی وغیرہ) کا ارتکاب کیا جارہا ہو، ان میں شرکت کے حوالے سے تفصیلات درج ذیل ہیں:

1. اگر پہلے سے یہ بات معلوم ہو کہ تقریب میں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہوگا تو اس صورت میں اس تقریب میں شرکت کے لیے ہر گز نہیں جانا چاہیے، اگرچہ اپنی طرف سے مکمل پردے کا خیال رکھا جائے، البتہ اگر مدعو (مہمان) کوئی عالم ومقتدا یا دینی اعتبار سے بااثر شخصیت ہو اور اسے امید ہو کہ وہ اس تقریب میں جاکر معصیت کے ارتکاب کو روک سکتا ہے تو اسے جانا چاہیے، تاکہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی گناہ سے بچ جائیں۔
2. اگر پہلے سے معلوم نہ ہو کہ وہاں کسی معصیت (گناہ) کا ارتکاب ہو رہا ہے، بلکہ وہاں جاکر معلوم ہو تو اگر اندر جانے سے پہلے معلوم ہو جائے تو واپس لوٹ آئے، اندر نہ جائے، البتہ اگر اندر جاکر اس گناہ کو بند کرا سکتا ہو تو اندر جاکر اس گناہ کو بند کروادے۔
3. اگر اندر داخل ہونے کے بعد گناہ کا پتا چلے اور اس کو بند کرنے کی قدرت بھی نہ ہو تو مہمان اگر عالم اور مقتدا ہو تو وہ وہاں نہ بیٹھے، بلکہ اٹھ کر واپس چلا جائے، کیوں کہ اس کے وہاں بیٹھنے میں علم اور دین کی توہین ہے، البتہ اگر مہمان عام آدمی ہو تو اس کے لیے وہاں کھانا کھانے کی گنجائش ہے۔

اگر کوئی شخص شرعی حکم کے پیشِ نظر اس طرح کی کسی تقریب میں شرکت نہ کرے تو اسے قطع رحمی یا قطع تعلّقی نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اسے قطع رحمی یا قطع تعلّقی کا گناہ ملے گا، بلکہ ایمان کا تقاضا ہونے کی وجہ سے اسے اس پر ثواب بھی ملے گا۔

قبروں پر چادریں چڑھانے کا حکم

سوال: ہمارے علاقے میں اور دیگر بہت سے علاقوں میں یہ رواج ہے کہ قبروں پر خصوصاً بزرگوں اور مشہور دینی یا دنیوی شخصیات کی قبروں پر چادریں چڑھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس عمل کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے کہ اس کے لیے قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ میں دور دراز کی خود ساختہ تاویلات کرکے دلائل بھی تراشے جاتے ہیں۔ اس عمل کو دین کا ایک اہم عمل سمجھا جاتا ہے، اس کی ترغیب بھی دی جاتی

ہے، اس کو باعثِ ثواب و برکت بھی قرار دیا جاتا ہے، حتی کہ چادریں نہ چڑھانے والے حضرات کو طعن و ملامت کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے، گویا کہ انھوں نے دین کا کوئی اہم اور ضروری کام چھوڑ دیا ہو یا میت کی حق تلفی یا اس کی تعظیم میں کوئی کمی کر دی ہو۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈالیں اور شریعت کی نظر میں اس مسئلے کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

جواب: واضح رہے کہ شریعت کی نظر میں قبروں پر چادریں چڑھانے کا مروّجہ عمل ناجائز، بدعت اور گناہ ہے، اس لیے یہ رسم ترک کرنا واجب ہے، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1 قبروں پر چادریں چڑھانا قرآن وسنت، حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینِ عظامؒ، تبع تابعینِ کرامؒ اور ائمہ مجتہدینؒ سے ہرگز ثابت نہیں، اس لیے یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے، جس کا بدعت ہونا واضح ہے۔ حدیث میں ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی تو وہ مردود ہے (بخاری) اس لیے اگر قبروں پر چادریں چڑھانا میت کے لیے کسی درجے میں اہم اور مفید ہوتا یا اس کا دین میں کوئی درجہ ہوتا یا اس میں کوئی دینی منفعت یا مصلحت ہوتی یا یہ تعظیم اور برکت کا باعث ہوتا تو یہ عہدِ نبوی، عہدِ صحابہؓ اور عہدِ تابعین و تبع تابعین سے ضرور ثابت ہوتا، کیوں کہ یہ تو ظاہر سی بات ہے کہ قبروں یا قبر والوں کی تعظیم یا ان سے برکت کے حصول کی ضرورت ان زمانوں میں بھی تھی، اسی طرح کسی دینی مصلحت اور منفعت یا اس کا ادراک بھی وہ بخوبی کر سکتے تھے، حتی کہ تعظیم اور برکت کے زیادہ قریب بھی وہی حضرات تھے، تو ضرورت ہونے اور اسباب پائے جانے کے باوجود بھی انھوں نے قبروں پر چادریں چڑھانے کا اہتمام نہیں کیا اور نہ ہی کسی درجے میں اس کی ضرورت محسوس کی، اس لیے آج اس کا اہتمام کرنا ناجائز اور بدعت ہی کہلائے گا جیسا کہ بدعت کی تعریف سے واضح ہے۔

2 قبروں پر چادریں چڑھانے کے بدعت ہونے کی ایک عام سی وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت میں میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے تمام احکام موجود ہیں، لیکن قرآن وسنت میں کہیں بھی قبروں پر چادریں چڑھانے کا ذکر نہیں اور نہ ہی یہ حضرات صحابہ کرامؓ اور دیگر بزرگوں سے ثابت ہے، اس لیے اگر یہ دین کا حصہ ہوتا اور یہ عمل اہمیت رکھتا تو میت کے احکام میں اس کا ثبوت ضرور ہوتا، حالاں کہ ایسا ہرگز نہیں، اس لیے یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے جس کا بدعت ہونا واضح ہے۔

3 شریعت میں قبروں کی تعظیم سے متعلق احکام و مسائل مقرر ہیں، اس لیے اس میں اپنی طرف سے تعظیم کا خود ساختہ طریقہ ایجاد کرنا بدعت ہی کہلائے گا، کیوں کہ قبروں کا سلسلہ آج کا تو ہے نہیں، بلکہ تاریخِ انسانی کے آغاز ہی سے چلا آرہا ہے اور خیر القرون میں وہ حضرات زیادہ تعظیم کے لائق تھے، لیکن اس کے باوجود بھی انھوں نے تعظیم اور برکت کا یہ طریقہ اختیار نہیں کیا تو آج تعظیم یا برکت کے نام پر قبروں پر چادریں چڑھانے کو کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے؟؟؟

4 قبروں پر چادریں چڑھانا زیب وزینت کے زُمرے میں آتا ہے جو کہ قبروں کے کسی طرح مناسب نہیں، قبر تو تعمیرات اور زیب وزینت کی جگہ نہیں، بلکہ وہ تو ویرانیوں اور فنائیت کی جگہ ہے، یہی وجہ ہے کہ چادریں چڑھانے کا قبروں سے کوئی جوڑ ہی نہیں۔

5 قبروں پر چادریں چڑھانے سے جب میت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور اس کا تعظیم کا ذریعہ ہونا بھی شرعاً بلا دلیل ہے تو یہ مال کا بے جا استعمال ہے جو کہ اسراف کی وجہ سے حرام ہے۔

6 بعض لوگ بزرگوں کی قبروں پر چادریں اس لیے چڑھاتے ہیں، تاکہ ان سے مرادیں مانگی جائیں یا کسی نفع و نقصان کے وقت ان کو مدد کے لیے پکارا جاسکے۔ ایسی صورت میں معاملہ اور زیادہ سنگین ہو کر شرک کے زُمرے میں آجاتا ہے، جن سے اجتناب کرنا ایمان کی سلامتی کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے۔

کھیلوں میں انہماک اور اس میں عزت سمجھنا

سوال: کیا مسلمانوں کے لیے دنیا میں کافروں کے سامنے اپنی عزت قائم رکھنے کے لیے کھیلوں میں حصہ لینا، اس میں جیتنے کی کوشش کرنا اور دعائیں کرنا، کروانا، قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا واقعی اس طرح عزت مل سکتی ہے؟

جواب: واضح رہے کہ مسلمانوں کی عزت و وقار اور دنیا و آخرت کی سرخروئی صرف اس میں ہے کہ وہ صحیح معنوں میں مسلمان بنیں اور اسلام کے تمام احکام پر عمل کریں اور کفار پر اپنی دھاک بٹھانے اور ان کے سامنے اپنا سر اونچا رکھنے کے لیے جہاد کی تیاری کریں، ایسی ورزشیں کریں جن سے جسم مضبوط اور جہاد کے قابل بنیں۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تربیتِ جہاد ہی کے ذریعے کفار پر رعب ڈالا جاتا تھا، چناں چہ مسجدِ نبوی میں تیر اندازی کے مقابلے ہوتے تھے، اسی تربیت سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ جیسے شہسوار مہارت حاصل کرکے جب کفار کے مقابلے میں میدان میں اترتے تو مربیٔ اعظم ﷺ "فداہ ابی وامّی" "ارم یا سعد! بابی وامّی" (اے سعد! میرے ماں باپ آپ پر قربان! دشمن پر خوب تیر برسائیں!) کا نعرہ لگا کر ان کو تیر اندازی کے جوہر دکھانے پر ابھارتے تھے۔

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ بچے، جوان، بوڑھے سب ہی جذبۂ جہاد سے سرشار تھے۔ بچے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اپنا قد لمبا ظاہر کرکے جہاد میں جانے کی اجازت کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ نوجوان نئی دلہن کے حقوق ادا کرنے کے بعد جہاد کی آواز سن کر غسل مکمل کیے بغیر میدان کی طرف دوڑ جاتے اور جامِ شہادت نوش فرمالیتے تھے۔ پاؤں سے معذور میدانِ جہاد کی طرف جاتے ہوئے یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ "اے اللہ! مجھے واپس اپنے گھر زندہ نہ لوٹائیے" بوڑھے نوے سال کا بوڑھاپا لے کر جہاد کے لیے نکلتے تھے اور راستے میں متوقع انتقال کے پیشِ نظر جنازے کو بھی میدانِ جہاد میں لے جاکر دفن کرنے کی وصیتیں کرتے تھے۔

ان قدسی صفات حضرات نے کبھی بھی کھیلوں کے مقابلے کرکے کفار پر رعب بٹھانے کا فلسفہ سوچا، نہ اس میں اسلام کی سربلندی سمجھی۔

درحقیقت یہ اسلام دشمن قوتوں کی گھناؤنی سازش ہے کہ مسلمان نوجوانوں کو لہو ولعب اور کھیل تماشے میں مشغول رکھو، تاکہ وہ اپنے دین کے تمام احکام سے غافل، بلکہ عاری ہو جائیں، ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں، مکمل طور پر ہمارے رنگ میں رنگے جائیں اور ہمارے خلاف علمِ جہاد بلند کرنے کا تصور ہی ان کے ذہن سے مٹ جائے۔

افسوس! آج کی مسلم حکومتیں اور مسلمان نوجوان اپنی حیثیت کو بھول کر ذلت کی کس قدر عمیق گڑھے میں گر گئے اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں کے جال میں پھنس کر فکرِ آخرت سے تو کوسوں دور ہوئے ہی تھے، منافعِ دنیویہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو پس پشت ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے نفع کا شعور ان سے چھین لیا، چناں چہ مروجہ کھیلوں کے مقابلوں میں کئی خلافِ شرع امور کے ارتکاب، نماز، روزہ جیسے اہم فرائض سے غفلت، بلکہ تنفر کے علاوہ قوم کے کروڑوں اربوں روپے کا سرمایہ کھیل کے میدان بنانے، تماشائیوں کے بیٹھنے کا انتظام کرنے، غیر مسلم کھلاڑیوں کے آؤ بھگت اور یہود و ہنود کے ساتھ تعلقات نبھانے جیسے لغویات اور غیرتِ ایمانیہ کے خلاف حیاسوز حرکات پر خرچ ہوتا ہے۔

نیز ہر ایسا کھیل جو انسان کو اس پر واجب حقوق، خواہ حقوق اللہ ہو یا حقوق العباد، سے غافل کردے یا ایسا کھیل جو مختلف گناہوں پر مشتمل ہو یا اس کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوں، شرعاً ناجائز و مکروہِ تحریمی ہے۔

جوڑوں کا درد

حکیم شمیم احمد

جوڑوں کا درد۔۔۔ قدیم بھی، تکلیف دہ بھی

جوڑوں کا درد بار بار لوٹ کر آنے والا ایک قدیم اور تکلیف دہ مرض ہے۔ جہاں تک انسانی تاریخ ہمیں ملتی ہے، وہیں تک اس مرض کی موجودگی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ اہرامِ مصر میں رکھی ہوئی "ممیّز" کا تفصیلی جائزہ لینے پر ان میں سے کچھ میں ایسے آثار پائے گئے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ جوڑوں کی تکلیف میں مبتلا رہے ہوں گے۔ دوسری پتھرائی ہوئی لاشوں (فاسلز) میں جو کہ زمین کی کھدائی میں برآمد ہوئی ہیں، ان میں بھی اس مرض کی علامات ملی ہیں۔

بڑے جوڑوں کا درد، عرفِ عام میں۔۔

یہ درد کبھی بڑے جوڑوں میں ہوا کرتے ہیں، جسے عرفِ عام میں "گٹھیا" عربی میں "وجع المفاصل" اور انگریزی میں "روے ٹزم" کہا جاتا ہے۔ یہ عموماً جسم کے بڑے اور درمیانہ مفاصل جیسے: کولہے، گھٹنے، ٹخنے یا شانے کہنی اور پہنچے کے جوڑ میں ہوا کرتے ہیں اور کبھی ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں جیسے چھوٹے جوڑ درد کرتے ہیں، اسے عربی میں "نقرس" اور انگریزی میں "گاؤٹ" کہا جاتا ہے۔ کبھی درد حاد یا ایکیوٹ ہوا کرتے ہیں جو بہت تیزی اور شدّت کے ساتھ بڑھتے ہیں اور کبھی مزمن یا کرانک ہوتے ہیں جو کہ بہت آہستہ آہستہ پیدا ہوتے ہیں۔ علامات بھی تیز نہیں ہوا کرتیں، مگر ٹھیک بھی دِقّت سے ہوتے ہیں۔

درد کی وجوہات

1. ہڈیوں کے دونوں چکنے سروں پر اس طرح کے خشک مادے جمع ہو جائیں جو کہ انھیں ریگ مال کی طرح گھردرا کردیں یا ان کی ساخت میں خرابی ہو جائے اور وہ ناہموار ہو جائیں، ایسی صورت میں حرکت کی رگڑ سے سوزش اور ورم پیدا ہو کر درد ہونے لگتا ہے۔
2. یہ چکنی سفید رطوبت کا بننا کم ہو جائے اور وہاں چکناہٹ کی کمی رگڑ پیدا کرنے کا باعث بننے لگے، جیسا کہ ضعیف العمری میں ہوتا ہے۔
3. رطوبت کی زیادتی بھی جوڑ کی خالی جگہ کو پُر کردیتی ہے، جس کی وجہ سے گنجائش کم ہو جاتی ہے اور حرکت میں دِقّت ہونے لگتی ہے۔
4. بعض اوقات چوٹ، جوڑ میں بدوضعی پیدا کردیتی ہے اور اس کی وجہ سے درد ہونے لگتے ہیں یا وہاں کے اعصاب حساس و کم زور ہو کر درد کا موجب بنتے ہیں۔

وجع المفاصل مزمن

وجع المفاصل مزمن کی صورت میں درد زیادہ شدید نہیں ہوتا۔ بخار ہلکا رہتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا۔ جوڑوں میں حرکت کم یا بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ جوڑ سخت ہو جاتے ہیں اور رات کو سوتے وقت درد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ قریبی عضلات بھی کم زور پڑ جاتے ہیں، مگر جوڑوں میں پانی اکٹھا نہیں ہوا کرتا۔ ہاضمہ اکثر خراب رہتا ہے۔

وجع المفاصل

وجع المفاصل دو طرح کا ہوتا ہے ایک شدید جسے "حاد یا ایکیوٹ" کہا جاتا ہے اور دوسرا "مزمن یا کرانک۔" وجع المفاصل حاد ہر عمر میں ہو سکتا ہے، مگر زیادہ تر سولہ سے لے کر پینتیس سال کی عمر میں لاحق ہوتا ہے۔ اس میں جوڑوں کی اندرونی جھلیاں اور ان میں پائی جانے والی رگیں پھول جاتی ہیں اور ان سے رطوبت رسنے لگتی ہے۔ یہ رطوبت گدلی اور گاڑھی ہوتی ہے۔ سرد اور مرطوب ممالک میں یہ مرض زیادہ ہوتا ہے۔ گرم ممالک کے لوگ بارش میں بھیگنے یا دیر تک گیلے کپڑے پہننے یا سردی لگ جانے سے اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ غربت اور محنت طلب کام بھی اس مرض کا باعث بن جاتے ہیں۔ کم مقدار کی یا غیر متوازن و ناقص غذا سے بھی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ خراب ہاضمہ اور قبض کا بھی جوڑوں کے درد سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ عورتوں میں ایّام کی خرابی یا کم زور صحت کے باوجود طویل مدّت تک بچوں کو دودھ پلانا بھی اس کا سبب ہے۔ بعض امراض مثلاً سوزاک و آتشک کے مریض آخر میں وجع المفاصل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قدرت کے بنائے جوڑ

انسانی اعضا میں ہر اس جگہ جہاں ان کا مڑنا ضروری تھا، قدرت نے جوڑ بنائے ہیں۔ یہ ہڈیوں، کرّیوں، عضلات، خلیوں، مختلف قسم کے پٹھوں اور ریشوں کی مدد سے بنتے ہیں۔ ان میں دورانِ خون کے لیے رگیں اور حس و حرکت کے لیے اعصاب موجود ہوتے ہیں۔ ہڈیوں کے سرے انتہائی چکنے و ہم وار ہوا کرتے ہیں، تاکہ ایک دوسرے پر آسانی کے ساتھ پھسل سکیں اور ایک نہایت چکنی رطوبت انھیں تر رکھتی ہے، تاکہ رگڑ انھیں کھردرا نہ بنا سکے۔ تمام تر بندش اور مضبوطی کے ساتھ ان میں قدرت نے اتنی گنجائش بھی رکھی ہے کہ مکمل مڑنے پر بھی تناؤ یا کھنچاؤ پیدا نہ ہو۔

چھوٹے، بڑے جوڑوں کا درد

* چھوٹے جوڑوں کے درد جنھیں "نقرس" یا "گاؤٹ" کہا جاتا ہے، عموماً پیر کے انگوٹھے کے جوڑ سے شروع ہوتے ہیں یا پھر انگلیوں و ٹخنے کے جوڑ اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یورک ایسڈ سے بھی یہ مرض ہوتا ہے۔
* بڑے جوڑوں کا درد زیادہ تر غریب و محنت کش لوگوں اور چھوٹے جوڑوں کا درد یا نقرس امیروں اور آرام دہ زندگی بسر کرنے والوں کی بیماری ہے۔

وجع المفاصل اور نقرس کا علاج

وجع المفاصل اور نقرس دونوں کا علاج تقریباً ایک جیسا اور دونوں میں غذا و پرہیز کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ غذا میں یورک ایسڈ بنانے والی تمام چیزیں بند کر دی جائیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ نقرس کے مریضوں کو اپنی غذا کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کی مقدار بھی کم کر دینی چاہیے۔ بہت مرغن تلی ہوئی اور تیز مرچ مسالے والی غذائیں بھی نہیں لینا چاہییں، تاکہ ہاضمے کا فعل درست رہے۔ سبزیاں، ترکاریاں اور پرندوں کے گوشت مناسب ہیں۔ وجع المفاصل کے مریضوں کو بھی اپنی غذا کا جائزہ لینا چاہیے کہ اس میں کوئی کمی یا خامی تو نہیں ہے، مثال کے طور پر بعض لوگ باریک سفید چھنا ہوا آٹا استعمال کرتے ہیں یا بغیر چھلکے کی دالیں استعمال کی جاتی ہیں، اسی طرح چاول اور سبزیوں کو اُبال کر ان کا پانی پھینک دیتے ہیں، جس کی وجہ سے جسم میں ضروری غذائی اجزا کی کمی ہو جاتی ہے اور اس طرح کے امراض پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر کام کاج کی مصروفیت کی وجہ سے پیشاب روکا جائے تو اس کی اصلاح یا تبدیلی ضروری ہے۔ مزمن صورتوں میں چہل قدمی اور ہلکی ورزش فائدہ مند ہو گی، مگر حاد صورتوں میں مکمل آرام کے ساتھ متاثرہ جوڑ کو فلالین کی پٹیوں سے لپیٹ کر سہارا دینا چاہیے۔ سردی و نمی سے حفاظت ضروری ہے، اگر مرطوب مقام پر رہائش ہو تو مقام کی تبدیلی سود مند ہو گی۔

نسخہ جات

* شدّتِ درد کے وقت پوست خش خاش پانی میں جوش دیے کر نیم گرم پانی متاثرہ جوڑ پر ڈالا جائے۔ روغنِ موم لگانا یا کوئی بام لگانا بھی تسکین دیتا ہے۔
* اس کے علاوہ مہندی کے خشک پتے اور صابن دیسی برابر وزن لے کر سرکہ میں آٹے کی طرح گوندھ لیے جائیں اور پھر انھیں نیم گرم کر کے لیپ کیا جائے۔ پوست خش خاش اور ثابت اسبغول برابر وزن کوٹ لیے جائیں اور پانی میں اچھی طرح جوش دیا جائے، تھوڑا ٹھنڈا ہونے پر روغنِ گل ملا کر لیپ کیا جائے، درد میں آرام آ جانے کے بعد روغنِ سرخ، روغنِ سور نجان یا روغنِ گل آک کی مالش کی جائے۔

جوڑوں کا درد، بار بار آنے والی بیماری ہے

* غذا میں ادرک و لہسن کی مقدار بڑھا دینا چاہیے۔ * سہانجنے کی پھلیاں پکا کر کھائی جائیں، بغیر پالش کیے ہوئے چاول بھی پکا کر کھائے جا سکتے ہیں اور پانی میں ابال کر ان کا پانی بھی پیا جا سکتا ہے۔ یہ حیاتین ب کی کمی اور کم زوری اعصاب کی وجہ سے ہونے والے درد میں بہت مفید ہے۔ اس کے استعمال سے لو بلڈ پریشر کے مریض بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ * پھلوں کا استعمال کثرت کے ساتھ کیا جائے اور اگر تین ہفتے غذا میں صرف پھل ہی لیے جائیں تو بڑے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ یہ بار بار لوٹ کر آنے والی بیماری ہے، اس کے علاج پر بڑی توجہ دینی چاہیے، ٹھیک ہو جانے کے بعد بھی کچھ دن دوائیں جاری رکھنا چاہیے اور پرہیز و احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا چاہیے۔

نقرس اندرونی

یہ مرض بعض اوقات جوڑوں کے علاوہ جسم کے اندرونی اعضا میں بھی ہو جاتا ہے، مثلاً: معدہ، آنتیں، پھیپھڑے، گردے و دماغ اس سے متاثر ہو سکتے ہیں، اسی لیے اس کا نام "نقرس اندرونی" رکھا گیا ہے اور یہ ایک خطرناک صورتِ حال ہوا کرتی ہے۔

درد نقرس اکثر صرف دائیں پیر کے انگوٹھے کے جوڑ میں اور کبھی دونوں پیر کے انگوٹھوں کے جوڑ میں اور کبھی ایڑی و ٹخنے کے جوڑ میں شدید ہوا کرتا ہے، جس کی وجہ سے مریض نیند سے بے دار ہو جاتا ہے، متاثرہ جوڑ متورم و سرخ ہو جاتا ہے۔ درد کی وجہ سے انگوٹھے کو ہلانا یا چھونا بھی دوبھر ہو جاتا ہے، تمام دن درد میں کمی رہتی ہے، مگر جوں ہی رات شروع ہوتی ہے، درد شدید ہو جاتا ہے۔

وجع المفاصل کی ابتدا

اس مرض کی ابتدا میں لرزے کے ساتھ بخار چڑھتا ہے، چوبیس یا چھتیس گھنٹے بعد پاؤں کے جوڑوں میں سختی اور درد شدید ہو جاتا ہے۔ کبھی جسم میں ہلکا ہلکا درد رہنے کے بعد یکایک بڑے بڑے جوڑ متورم ہو جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کپڑا چھونے سے بھی شدید درد ہونے لگے۔

اس بیماری سے کچھ ذیلی امراض پیدا ہو سکتے ہیں، وہ کافی تشویش ناک ہیں، مثلاً: دل کے غلاف پر ورم آ جانا یا دل کے عضلات اور صمامات (والوز) کا متورم ہو جانا۔ نمونیہ، پھیپھڑوں کے غلاف میں پانی بھر جانا، رعشہ، جنون وغیرہ بھی پیدا ہو سکتے ہیں، مگر زیادہ خطرناک صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب دماغ اور اس کی جھلیوں پر ورم آ جائے۔

وجع المفاصل مزمن کبھی وجع المفاصل حاد کے بعد پیدا ہو جایا کرتا ہے اور کبھی شروع سے ہی یہ مرض مزمن شکل اختیار کرتا ہے، عموماً چالیس سال کی عمر کے بعد ہوتا ہے۔ عورتوں کی نسبت مرد زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی وراثت میں بھی ملتا ہے۔

سور نجان کی بوٹی

کھانے کی دواؤں میں جو چیز سب سے زیادہ مفید ثابت ہوئی ہے، وہ "سور نجان" ہے۔ اس بُوٹی پر کئی ممالک نے ریسرچ کی ہے اور اسے جوڑوں کے درد میں مفید پایا ہے۔ یہ مسکن درد ہونے کے ساتھ ساتھ یورک ایسڈ کو بھی خون سے خارج کرتی ہے۔ نیز ملیّن بھی ہے، اس کے مرکبات حب سور نجان اور معجون سور نجان کے نام سے بازار میں ملتے ہیں۔ دو دو گولیاں صبح اور سوتے وقت پانی کے ساتھ کھائی جا سکتی ہیں اور معجون نصف چمچہ چائے، صبح نہار منہ سوتے وقت نوش کی جائے۔ وہ لوگ جن کی آنتیں حساس ہوں یا دستوں کے مریض ہوں حسب برداشت خوراک کی مقدار کم کر سکتے ہیں۔ دوسری دوا "چوب چینی" ہے، جو چین سے آتی ہے۔ اس کا استعمال پرانے دردوں میں مفید ثابت ہوا ہے۔ اس کی معجون نصف چمچہ چائے، صبح نہار منہ اور سوتے وقت استعمال کی جاتی ہے، اس مرض میں پیشاب آور ادویہ کی بھی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ گردے دھلتے رہیں اور یورک ایسڈ خارج ہوتا رہے۔ اس کے لیے شربت بزوری معتدل دو بڑے چمچے نصف گلاس گرم پانی میں ملا کر نوش کیے جائیں۔

یورک ایسڈ

گوشت اور اسی قسم کی دوسری غذاؤں کے ہضم کے دوران جو فضلہ بچتا ہے، اسے "یورک ایسڈ" کہتے ہیں۔ غذا میں دو اجزا نیوکلینک ایسڈ اور پیورین موجود ہوتے ہیں، جو عموماً گوشت، انڈے، کلیجی، تلی، گردے، مغز وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ نباتاتی غذاؤں مثلاً: دالوں، مٹر، لوبیا، اناج کی بھوسی، بڑے گوشت کے شوربے میں بھی ملتے ہیں۔ "یورک ایسڈ" خون کے شوراجزا کے ساتھ مل کر "کواڈری یوریٹ" بن جاتا ہے جو کہ حل ہو جانے والی چیز ہے، اس لیے گردے اسے خون میں سے چھان کر محلول کی شکل میں خارج کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہی "یورک ایسڈ" خون میں "سوڈیم کاربونیٹ" کے ساتھ مل جائے تو "سوڈیم بائی یوریٹ" بن جاتا ہے جو کہ حل نہیں ہو سکتا، اس لیے گردے اسے خارج بھی نہیں کر پاتے اور خون میں اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے، جس کی وجہ سے یہ جوڑوں اور دوسرے اعضا میں جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

Zaiby Jewellry

Saddaer

PRECIOUS, PRICELESS & Phenomial

021-35215455, 35677786 zaiby_jewellery Zaiby_jewellery
zaiby.jeweller@gmail.com Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi

ولاماکم میں ناقص العقل

قرات گلستان

"ٹھیک ہے، مجھے طلاق دو تو میں جاؤں۔" فروا اُس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی تھی۔ فرخ نے ایک جھٹکے سے اُسے اپنے سامنے سے ہٹایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"طلاق تو یوں مانگ رہی ہے جیسے بازار جانے کے لیے پیسے مانگ رہی ہو۔" فرخ نے جوتے پہنے اور گھر سے باہر نکل گیا۔

رات گئے جب وہ گھر لوٹا تو اُسے لگا فروا کا بھی غصہ ختم ہو چکا ہوگا، لیکن فروا ابھی تک آگ کا گولا بنی بیٹھی تھی۔ فرخ کو دیکھتے ہی چلانے لگی۔

"ڈھونڈ آئے اپنے لیے نیک سیرت بیوی۔" "تم میرے ساتھ مل کر ڈھونڈو نا!" فرخ نے مسکرا کر کہا، لیکن فروا بگڑ گئی، جس ماحول کو بدلنے کے لیے وہ گھنٹوں باہر رہ کر آیا تھا، وہ اب بھی خراب تھا۔

"جس طرح میں نے تمھیں رکھا ہوا ہے ناں کوئی اور مرد ہوتا تو پانچویں دن ہی فارغ کر چکا ہوتا۔" فرخ کا یہ جملہ تیل کو تیلی دکھانے کے برابر ہو گیا۔ ڈھیروں بددعائیں دے کر فروا اس کے سامنے ڈٹ گئی۔

"مجھے طلاق دو، تاکہ میں امی کے ہاں جاؤں۔" فروا نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر ڈھٹائی سے کہا۔ فرخ نے کچھ کہے بغیر کاغذ پر روانی سے قلم چلایا اور لفافے میں بند کر کے فروا کے حوالے کر دیا۔

◆◆◆

"مرد ذات کتنا بے وفا ہے۔ پانچ سال کا ساتھ ایک لمحے میں بھلا بیٹھا۔" رکشے میں بیٹھتے ہی اُس نے افسوس کیا۔

"اسے سب پتا ہے کہ امی ابو نجم کی نوکری کے لیے کتنے پریشان ہیں۔ امی نے تو یہاں تک کہا تھا کہ ایک لاکھ نوکری لگانے والا لے گا تو پچاس ہزار فرخ بھی لے لے، لیکن نجم کی نوکری لگوا دے۔ ساری دنیا یہی کر رہی ہے، لیکن اسے پچاس ہزار اتنے بُرے لگے کہ مجھے طلاق دے دی۔" فروا کا غصہ عروج پر تھا۔

"میں امی سے کیا کہوں گی؟" فروا سوچنے لگی۔ رکشہ اس کے میکے کی گلی میں داخل ہو رہا تھا، فروا نے کرایہ دینے کے لیے ہینڈ بیگ اتارنا چاہا، مگر بیگ تو تھا ہی نہیں۔ وہ فقط لفافہ پکڑ کر گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی اور آج پہلی بار تھا کہ فرخ نے اسے پرس میں پیسے ڈال کر نہیں تھمایا تھا۔

گھر کے باہر محلے والوں کا ہجوم دیکھ کر اس کا دل جیسے ڈوب کر ابھرا تھا۔

"الٰہی خیر۔" اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا، اسی وقت مختلف آوازیں ابھریں۔

"لیجیے احمد صاحب! آپ کی بیٹی بھی آ گئی۔" پڑوسی اکبر چاچا نے روتے تڑپتے احمد صاحب کو اُسی رکشہ میں بٹھایا، جس سے فروا اتری تھی۔ اکبر چاچا خود بھی بیٹھے اور رکشہ تیزی سے گلی سے باہر نکل گیا۔

"امی ہوا کیا ہے آخر۔" فروا دوڑ کر گھر کے اندر بھاگی۔ محلے کی عورتیں امی کو تسلی دلاسا دے رہی تھیں۔

"ارے بیٹا! تمہارے بھائی نجم کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ ان کو کسی کا فون آیا تو رونے لگیں۔ ان کو دیکھ کر تمہارے ابو بھی گھبرا گئے۔" عالیہ خالہ نے فروا کو بتایا تو وہ الٹے پیروں باہر کی طرف بھاگی۔

"فروا مجھے بھی لے چلو۔" اُس کی امی نے اسے باہر کی طرف جاتے دیکھ کر کہا۔

"جلدی آئیں امی۔" فروا باہر نکلنے لگی تو عورتوں نے اُسے پکڑ لیا۔ "نہیں بیٹا! عورتوں کا کیا کام ہسپتال میں۔" نیلم خالہ نے اسے تھامتے ہوئے کہا۔

"دونوں ماں بیٹی جائے نماز بچھاؤ اور اللہ سے بھائی کی زندگی مانگو۔ ہاں اپنے میاں کو فون کر لو، وہ ہسپتال چلے جائیں تو تمہارے ابو کو آسرا ہو جائے گا۔" نیلم خالہ نے کہا تو فروا اپنا فون ڈھونڈنے لگی، پھر اسے یاد آیا کہ وہ تو میاں سے رشتہ ہی توڑ آئی ہے۔ آنسو صاف کر کے وہ وضو کرنے لگی۔

نجم کا بہت خطرناک ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ سر پھٹنے کی وجہ سے خون بہت ضایع ہو گیا تھا۔ اللہ بھلا کرے کہ جائے حادثہ پر موجود لوگوں نے اسے فوراً ہسپتال پہنچا دیا تھا۔ اسے فوراً آپریشن کے لیے لے گئے۔ محلے کے لڑکوں نے خون دیا تو حالت خطرے سے باہر ہوئی۔

سب حیران تھے کہ اتنے خطرناک حادثے میں جان بچ گئی۔ ماں باپ شکرانے کے سجدے کرتے نہیں تھکتے تھے۔

ابو نے فروا سے فرخ کے بارے میں پوچھا تو اس نے جھوٹ بول دیا کہ وہ اپنی چھوٹی بہن سے ملنے ملتان گئے ہیں۔ ابو کو تسلی ہو گئی کیوں کہ فرخ اکثر جایا کرتے تھے۔

◆◆◆

فروا کو عدّت گزارنا تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح امی ابو کو بتائے۔ بار بار فرخ کو دل ہی دل میں برا کہنے کے ساتھ اسے خود پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ اُس نے طلاق کا مطالبہ کیوں کیا۔ ایک دن اس نے ڈرتے ڈرتے امی کو بتا ہی دیا۔ امی کی ایسی حالت تو نجم کا ایکسیڈنٹ کا سن کر بھی نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے موردِ الزام بھی فروا کو ہی ٹھہرایا تھا۔ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھیں۔

"بھلا مانس تھا، جس نے پانچ سال تمھیں برداشت کیا۔ زبان دراز عورت، مرد سے بار بار معافیاں منگوانے والی تم جیسی بے ڈھنگی عورتیں طلاق کا ٹیکا ماتھے پر سجا کر ماں باپ کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ گھر بسانے والی بیٹیاں برداشت کر کے سسرال بھی نبھا لیتی ہیں۔ اس ناہنجار سے میاں نہ نبھایا گیا۔"

امی کی جلی کٹی سن کر وہ آنسو بہاتی رہتی۔

"جس عمر میں لوگ آرام سے بیٹھا کرتے ہیں۔ اس میں تمہارا باپ مزدوری کرتا ہے۔ ایسی نالائق اولاد سے اللہ کی پناہ!! بیٹا ایسا کہ جسے اتنے بڑے شہر میں کوئی کام ہی نہیں ملتا اور بیٹی ماشاء اللہ ایسی زبان دراز کہ گھر ہی ختم کر کے آ گئی۔

شادی کے بارہ سال بعد اولاد ہوئی۔ پتا ہوتا ایسی ہوگی تو بے اولاد رہ کر ہی شکر کرتے رہتے۔ دعائیں مانگ کر اولاد نہیں اپنی مشقت اور پریشانیاں گود لی تھیں۔

ہائے رے اللہ! ہمیں معاف کر۔" اماں کا رو رو کر برا حال تھا۔ شام کو ابا آئے تو امی کی سوجی آنکھیں، سرخ ٹماٹر چہرہ اور برتنوں کی اُٹھا خ پٹاخ نے سمجھا دیا کہ کوئی بات ہوئی ہے۔ انھوں نے پوچھا اور اماں نے جھٹ سے بتا دیا۔

"خیر سے آپ کی بیٹی کی زبان درازی نے وہ دن

دکھا ہی دیا، جس کا دھڑکا ہر گھڑی لگا رہتا تھا۔ اُس رات بھائی کے حادثے کا سن کر نہیں، طلاق کا لفافہ تھام کر آئی تھی کم بد بخت۔" اماں نے کچھ اس انداز سے کہا کہ فروا آنسو بہاتے بستر میں دبک گئی۔ ابا سر تھام کر بیٹھ گئے تھے۔ اماں ابا دونوں نے کھانا نہیں کھایا۔ نہ ہی اسے کچھ کہا پوچھا، بس اماں نے نجم کو کھانا دے دیا تھا۔

◆◆◆

نیند فروا کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ شادی شدہ زندگی کے پانچ سال کسی فلم کی طرح اُس کے دماغ میں چل رہے تھے۔ آئے دن اس کا روٹھنا اور فرخ کا منانا، زبان درازی کر کے فرخ کا منہ کھلوانا، پھر اس کے جملے کو لے کر گھنٹوں رونا جب تک کہ فرخ معافی نہ مانگ لے۔ آؤٹنگ اور شاپنگ کے لیے نہ لے جائے، لیکن اسے پھر بھی قدر نہ تھی اور اب پچھتانے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

"اللہ! مجھے اس وقت گونگا کیوں نہ کر دیا۔ یہ پچھتاوے مجھے کیسے جینے دیں گے؟" پچھتاووں کی دلدل میں ڈوبنے ابھرنے کا سلسلہ جاری تھا۔

◆◆◆

"دیکھو بی بی! یہ بوڑھے باپ کا گھر ہے۔ ایک کونے میں پڑی رہ، عدّت ختم ہوتے ہی میں تجھے دو بول پڑھوا کر رخصت کر دوں گی۔ روٹی ہم پر بھاری نہیں، لیکن ذمے داری بھاری ہے جو ہمارے بس کی بات نہیں، تم اچھی طرح ذہن میں بٹھا لو، نکاح کا خواہش مند کوئی بھی مرد سامنے آیا، میں تمہیں رخصت کر دوں گی۔"

فروا جو ہر بات میں اماں کو چپ کروا دیا کرتی تھی، آج فقط چپ چاپ آنسو بہایا کرتی تھی۔

◆◆◆

"اللہ نے مرد کو طلاق دینے کا اختیار اس لیے دیا ہے کیوں کہ وہ عورت کی طرح جذباتی نہیں ہوتا، آپ اللہ کو کیا جواب دیں گے؟" فروا نے نجم کے موبائل سے فرخ کو میسیج کیا۔ میسج پڑھ کر فرخ مسکرانے لگا۔

"اللہ نے تو واقعی مرد کو حاکم قرار دیا ہے۔ مگر تم نے کبھی مجھے حاکم سمجھا؟ تم اللہ کو کیا جواب دو گی؟" فرخ نے جوابی میسیج کیا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں۔" اُس نے جھٹ سے اگلا میسیج بھیجا۔

"آج سورج کہاں سے نکلا ہے جو تم معافی مانگ رہی ہو۔ معافیاں مانگنا تو میرے حصے میں آیا تھا نا!" فرخ کے جوابی میسیج پر وہ پور پور شرمندگی میں ڈوب گئی۔

"دل چاہتا ہے، وہ وقت لوٹ کر آئے اور آپ کے قدموں میں بیٹھ جاؤں۔" ٹپ ٹپ اس کے آنسو موبائل پر گر رہے تھے۔

"وقت کبھی لوٹ کر نہیں آتا، ہر صحیح کام پر شکر اور برے کام پر پچھتاوا ہوتا ہے۔" فرخ کے میسیج نے اُس کے حواس معطل کر دیے۔

"تو کیا فرخ نے دوسری شادی بھی کر لی؟" فروا کے دماغ نے جیسے کام کرنا چھوڑ دیا ہو۔ اُس نے موبائل رکھ دیا۔ اُس کا جی چاہا، وہ دھاڑیں مار کر روئے، لیکن یہاں رونے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اماں نے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ شور مچا کر رونے کی ضرورت نہیں۔"

◆◆◆

"السلام علیکم!" کچی پکی نیند میں سوئی فروا کو لگا سلام فرخ نے کیا ہے، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"وعلیکم السلام۔" ابا کے لہجے میں اتنا جوش تھا کہ فروا حیران ہو گئی۔ اس کا دل چاہا کہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل کر دیکھے کہ کون ہے جس کی آواز فرخ سے اتنی ملتی ہے، پھر وہ دل پر پتھر رکھ کر بیٹھی رہی۔

"عدّت میں ہو فروا بی بی۔" اُس نے خود کو باور کروایا اور اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، وضو کر کے وہ نماز پڑھنے لگی۔ اُسے بار بار لگتا تھا کہ فرخ آیا ہے، لیکن وہ جانتی تھی کہ فرخ کبھی نہیں آئے گا، اس کا دل کہتا فرخ کی آواز ہے اور دماغ کہتا ہے نجم کا کوئی دوست ہو گا۔

دروازہ آہستہ سے کھلا تھا۔ فروا نے پلٹ کر دیکھا تو فرخ تھا جو اندر آ کر دروازہ بھی بند کر چکا تھا۔

"آپ؟" فروا کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"ہاں میں۔" فرخ نے مسکرا کر کہا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔

"گھر چلنا ہے؟" فرخ نے گنگ کھڑی فروا سے پوچھا۔

"کون سا گھر؟ وہ گھر جو آپ نے ایک منٹ میں توڑ دیا تھا۔" فروا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"مطالبہ تمہارا تھا اور اختیار میرا۔" فرخ نے سنجیدگی سے کہا۔

"پچیس دنوں میں دسیوں بار دل چاہا ہے کہ اس بے تکے مطالبے پر میں خود کو دو تھپڑ ماروں۔"

"تو پھر دو تھپڑ مارو خود کو اور پھر میرے ساتھ چلو۔" فرخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"لیکن آپ تو مجھے طلاق دے چکے ہیں۔"

"فروا یہ بہت ہی بھاری لفظ ہے جو تم بہت ہی آسانی سے اپنے منہ سے نکال لیتی ہو، کسی بھی شادی شدہ جوڑے کو کبھی بھی اس لفظ کو ادا نہیں کرنا چاہیے۔ جتنا مرد کو اس لفظ سے بچنا چاہیے، اتنا ہی عورت بھی اس لفظ کو ادا کرتے ہوئے گھبرائے تو اچھا ہے۔"

نکاح کے لیے فریقین کتنا سوچتے ہیں، کتنا وقت لیتے ہیں، دو خاندان اکٹھے ہوتے ہیں تب جا کر نکاح ہوتے ہیں اور گھر ختم کرنے کے لیے ایک لمحہ نہیں سوچتے، پھر زندگی بھر پچھتاتے ہیں۔ میں نے جو لفافہ دیا تھا وہ کھول کر دیکھا تھا؟ فرخ نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"اب نکال کے پڑھ لو۔" فرخ نے کہا تو وہ یاد کرنے لگی کہ لفافہ کہاں گیا۔

"اس رات جب میں آئی تھی تو نجم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، بہت افراتفری کا سماں تھا۔ محلے کی عورتیں بھی تھیں، پتا نہیں لفافہ کب اور کہاں گرا مجھے کچھ یاد نہیں۔" فروا نے کہا۔

"اچھا۔" فرخ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ "میں نے لکھا تھا، طلاق تو میں تمہیں ہرگز نہیں دوں گا، جب پچھتاؤ واپس آ جانا۔"

"امی ابو کو پتا تھا؟" فروا نے پوچھا۔

"ابو کو پتا تھا۔" فرخ نے کہا تو وہ شکر گزار نظروں سے انھیں دیکھنے لگی۔

"اللہ کتنا مہربان ہے۔ عورت واقعی ناقص العقل اور جذباتی ہے۔ اس لیے اس کے نکاح کا اختیار ولی کو دے دیا اور گھر ختم کرنے کا اختیار شوہر کو اگر اختیار مجھے ہوتا تو میں اپنا نقصان کر چکی ہوتی۔ میرا اللہ، میرا باپ، میرا شوہر سب کتنے ہی مہربان ہیں۔" فروا کی آنکھوں میں آج تشکر کے آنسو تھے۔

"مجھے ہر غلطی، ہر بدتمیزی کے لیے دل سے معاف کر دیں۔ اُس دن میں اکیلی آئی تھی، میرے پاس پرس بھی نہیں تھا۔"

"مجھے پتا تھا تم بغیر پرس، بغیر موبائل کے جا رہی ہو، لیکن میں نے سوچا جانے دو۔ یہیں سے پچھتاوے کا سفر شروع ہو گا۔" فرخ نے کہا تو فروا ہنس پڑی۔

"آپ جیسا خیال میں خود بھی اپنا نہیں رکھ سکتی فرخ۔" فروا نے سچائی سے کہا۔

"ہاں تو پھر سامنے کیوں کھڑی ہو، میرے قدموں میں بیٹھ جاؤ۔" فرخ نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب زندگی بھر آپ کے قدموں میں بیٹھوں گی۔" فروا نے عقیدت اور احسان مند نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

دردِ نہاں

اُمِّ نُسیبہ

میں سیٹھ جہانگیر کل تک خود کو ایک کام یاب ترین انسان سمجھتا تھا۔ زندگی اپنی تمام تر خوش نصیبیوں کے ساتھ مجھ پر مہربان رہی۔ میں اپنے آپ کو خوش نصیب کیوں کر نہ سمجھتا کہ اللہ نے رزق کی فروانی دی، کاروبار دیا، سلیقہ شعار خدمت گزار اور میرے ہر فیصلے پر سر جھکا دینے والی ہم سفر کا ساتھ ملا۔ اللہ نے اولاد سے نوازا تین بیٹے اور ایک بیٹی، مکمل گھرانا اور پُر سکون آشیانہ۔۔۔

پہلی اولاد میری بیٹی، میرا جگر کا ٹکڑا، میری ماہم شادی کے پانچ سال بعد ہوئی۔ ماہم کے آجانے کے بعد میری زندگی کسی حد تک تبدیل ہو گئی تھی۔ طبیعت کا لاابالی پن، مزاج کی لاپروائی جاتی رہی۔ زندگی بہت خوب صورت لگنے لگی تھی اور اب گھر میں بھی وقت گزارنے کا دل چاہنے لگا تھا۔ ننھی سی ماہم میری آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ پہلی بار جب وہ "بابا" بولی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ میں نے اس خوشی میں اپنے اسٹور کے تمام ملازموں کو اُس رات کھانے کی دعوت دی۔ جب دعوت کی بابت استفسار کیا گیا تو میں نے وجہ بتائی جسے سن کر سب کو حیرانی ہوئی۔

"سیٹھ صاحب! اتنا پیار کرتے ہیں اپنی گڑیا سے؟" کتنے ہی لوگوں نے پوچھا تھا۔

"ہاں بھئی، بہت زیادہ۔۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اولاد کی محبت اتنی خوب صورت چیز ہے۔" میں سب کو یہی جواب دیتا۔

گو ماہم کے بعد انس، مونس اور معاذ ہوئے۔ ان سے بھی مجھے بہت پیار ہے، مگر جتنی محبت مجھے ماہم سے ہے، اتنی ان تینوں سے نہ ہو سکی۔ یہ بات گھر والے اور عزیز و اقارب تک جانتے ہیں۔ ماہم کی ہر کام یابی مجھے اپنی کام یابی لگتی اور میں بچوں کی طرح خوش ہوتا اور اس کی تکلیف مجھے تڑپا کر رکھ دیتی۔ بچپن میں ماہم بیمار ہوتی تو میں اپنی بیوی سے کہتا کہ تم چھوٹے بچوں کے پاس سو جاؤ ماہم کے پاس میں سو جاؤں گا، پھر جب تک اس کا بخار نہ اُتر جاتا اور اس کی طبیعت بہتر نہ ہو جاتی، میں اس کے پاس بیٹھا رہتا۔

"اتنی محبت مت کیا کیجیے ماہم سے۔" آمنہ یہ جملہ اکثر ہی کہتی تو اس کی آنکھوں میں عجیب سے چبھن اور شکوہ ہوتا تھا اور مجھے اس وقت اس کی کم عقلی پر افسوس ہوتا تھا۔

"محبت کا کم اور زیادہ سے کیا تعلق۔۔۔؟ یہ تو دل کی بات ہوتی ہے اور ماہم تو ہے بھی میرے جگر کا ٹکڑا۔" میں آمنہ سے کہتا۔

"ہر باپ کو ہی اپنی بیٹی پیاری ہوتی ہے جہانگیر صاحب!! بس اللہ ہر بیٹی کی قسمت اچھی کرے۔"

کبھی کبھی آمنہ ایسی ہی جذباتی اور عجیب و غریب باتیں کرتی تھی، مگر میں نے کبھی توجہ ہی نہ دی۔

میں ماہم سے اپنی محبت پر کبھی کبھی خود بھی حیران ہوتا تھا۔ مجھے یہ بھی احساس تھا کہ باقی تینوں بچے اس بات کو محسوس کرتے ہوں گے کہ ماہم سے میری محبت غیر معمولی ہے، مگر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ ویسے بھی باپ کو بیٹی سے ہی زیادہ لگاؤ ہوتا ہے، اس آفاقی سچ کا اب میں سچے دل سے قائل ہو چکا تھا۔

میری بیوی آمنہ نے بچوں کی تربیت میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی، اس بات کو میں دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ فرانس جیسے ملک میں پروان چڑھنے کے باوجود میرے بچے اپنے اسلامی و مشرقی اقدار کی نہ صرف قدر کرتے تھے بلکہ اسی نہج پر زندگی گزار رہے تھے۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ ہمیں اب پاکستان شفٹ ہو جانا چاہیے۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ خاص طور پر مجھے بیٹوں کی طرف سے فکر ہے۔ یہاں کا ماحول لڑکوں کے لیے بالکل موزوں نہیں۔ بیٹی پر تو روک ٹوک کر لیں گے، مگر لڑکے تو گھر میں بیٹھے نہیں رہ سکتے نا۔" ایک دن آمنہ نے کہا۔

آمنہ کی بات مجھے بھی پریشان کر گئی تھی۔ ویسے بھی ایک نہ ایک دن تو ہمیں پاکستان جانا ہی تھا، پھر میں پاکستان شفٹ ہو جانے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اپنے کاروبار کو سمیٹنے لگا، بچوں کو ذہنی طور پر تیار کیا اور بالآخر دو سال بعد ہم پاکستان منتقل ہو گئے۔ میرے بچوں نے اپنی ماں کی تربیت کی لاج رکھی اور ہمارے اس فیصلے پر سرِ تسلیم خم کر لیا، حالاں کہ جائے پیدائش ہونے کی بنا پر چاروں بچوں کے لیے فرانس چھوڑنا آسان نہ تھا۔ خود میرے لیے بھی بڑی آزمائش تھی، چلتا ہوا کاروبار ختم کرنا اور پاکستان جا کر دوبارہ سب کچھ سیٹ کرنا مشکل تو تھا، مگر اس طرف سے اطمینان بھی تھا کہ تجربہ اور پیسہ اتنا ہے کہ دوبارہ کاروبار شروع کیا جا سکتا تھا۔

خیر کچھ ہی عرصے بعد زندگی اپنی ڈگر پر آ گئی تھی۔ بچوں نے یہاں کے ماحول میں خود کو ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں وہ کافی حد تک کام یاب بھی رہے۔ چاروں بچے اپنی اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئے۔ وقت کا پنچھی اڑتا رہا۔ بچے جوانی کی سرحدوں کو چھونے لگے اور والدین بڑھاپے کی دہلیز پر براجمان ہو گئے۔

ماہم کی پڑھائی کا آخری سال تھا۔ اُس سال اس کا ماسٹرز مکمل ہو جانا تھا کہ میرے دیرینہ دوست نے اپنے بیٹے کے لیے ماہم کا رشتہ مانگ لیا۔ میں نے مشورہ کرنے کے لیے اس سے وقت مانگا۔

"ارے بھئی، ہماری ماہم اتنی بڑی ہو گئی ماشاء اللہ۔۔ مجھے تو اب بھی یہ بالکل ننھی سی ماہم لگتی ہے۔" میں نے آمنہ سے کہا تو اس نے تائید کا سر ہلایا۔

میں نے تسلی کرنے کے چند روز بعد ہی رشتے کے لیے ہاں کر دی۔ منگنی کا دن آیا تو مجھے ایسا لگا کہ ماہم پرائی ہو گئی۔ اس دن اسے نظر بھر دیکھنے کا متحمل نہیں تھا میں۔ ایک سال جیسے پر لگا کر اڑ گیا اور ماہم کی شادی کا دن آن پہنچا۔ زبان گنگ اور الفاظ گم ہونا کسے کہتے ہیں، مجھے سچ مچ اس دن ادراک ہوا۔ محسوس ہوا جیسے کوئی میرے بدن کا حصہ کاٹ کر لے گیا ہو۔

آمنہ عورت ہو کر مجھے تسلیاں اور دلاسے دیتی رہی، مگر بات یہاں تک نہیں۔۔۔ شادی کے چند روز بعد ہی ماہم نے بتایا کہ اس کے شوہر انس کا ٹرانسفر پاکستان سے نیویارک کر دیا گیا ہے، لہٰذا چند ماہ میں وہ امریکا شفٹ ہو جائیں گے۔ میرے لیے یہ روح فرسا خبر تھی۔

اور آج اپنی جان سے پیاری بیٹی کو ائیر پورٹ پر الوداع کہتے ہوئے ہاتھ کانپ گئے اور قدم لڑکھڑا اُٹھے۔ آمنہ نے مجھے تھاما اور فقط اتنا کہا: "جہانگیر صاحب! میں بھی تو اپنے باپ کی لاڈلی بیٹی تھی نا۔۔۔" اس کی نظر میں سوال تھے، شکوے تھے۔

مجھے لگا کہ زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ گئی ہے۔ میں جو اس بات پر ہی نازاں تھا کہ میں نے اپنی بیوی کو خوب صورت لائف اسٹائل دیا پیسا دیا، مگر اپنوں کی محبت پر اس کا تڑپنا فراموش کرتا رہا، اس کو جذباتی کہتا رہا۔ اپنے باپ کے آخری دیدار کے لیے وہ تڑپتی رہی اور میں تسلی دے کر آرام سے کہتا رہا کہ جو ہونا تھا ہو گیا آمنہ۔۔۔!!! بس ان کے لیے دعا کرو۔۔

شیشے کے اس پار کھڑی آنسو پونچھتی اور پلٹ پلٹ کر دیکھتی ماہم کو دیکھ کر مجھے لگا کہ وہ ماہم نہیں بلکہ آمنہ ہے، جو وفا اور رسم دنیا نبھانے ہم سفر کے ہم راہ جا تو رہی ہے، مگر آنکھوں میں پیاروں کی فکر، اَن کہے اندیشے اور واہمے بھی چھپانے سے قاصر ہے۔

دوسروں کی بیٹیوں کے جذبات و احساسات سمجھیے، قبل اس کے کہ ان کے چہروں میں اپنی بیٹیوں کا چہرہ دکھائی دے۔۔

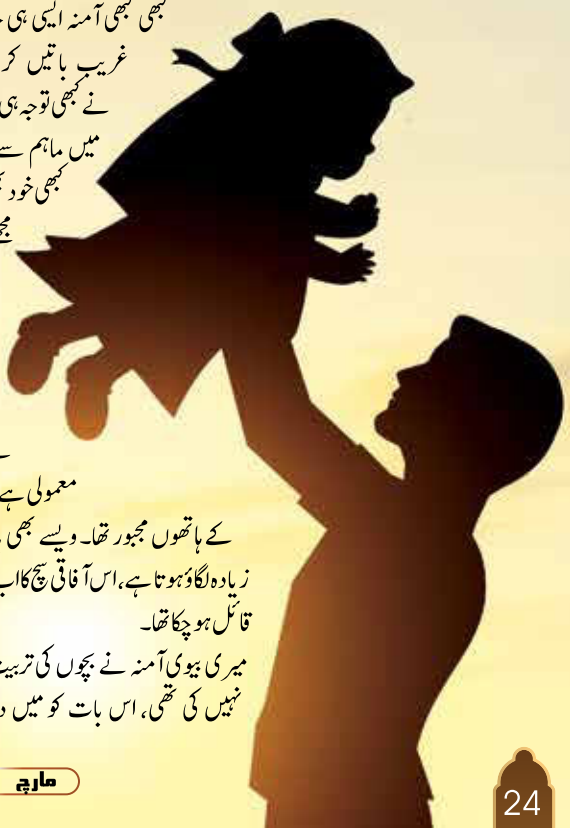

وَالصُّلحُ خَیر

مہوش کرن

طلاق ایک ایسا فعل جو جائز تو ہے، لیکن پسندیدہ نہیں۔ یعنی ایسی صورتِ حال جس میں اس کے سوا چارہ نہ رہے، تبھی اسے اختیار کرنا چاہیے، ورنہ صلح ہی بہتر ہے۔ افسوس کہ ہمارے ہاں آج انفرادی واجتماعی معاملات میں خدا خوفی ختم ہوتی جارہی ہے، یہی وجہ ہے کہ گھر ٹوٹ رہے ہیں، جی ہاں! وہی گھر جو معاشرے کی اکائی اور معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں اور جب بنیادیں ہلنا شروع ہو جائیں تو عمارتوں کو گرتے دیر نہیں لگتی۔ عدمِ برداشت کے پروان چڑھتے ماحول میں طلاق اب محض ایک عام سی بات بلکہ ایک رواج سا بن چکا ہے۔ پچھلے چند سالوں کی تحقیقاتی رپورٹوں سے یہ ثابت ہوا ہے کہ طلاق کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ ہم ان رپورٹوں پر دکھ کا اظہار کرتے ہیں، لیکن دوسروں کا گھر بچانے کے لیے عملاً کچھ کرتے نہیں، بلکہ عمومی رویہ یہی سامنے آتا ہے کہ جانبین کے متعلقین کا رویہ آگ بڑھکانے جیسا ہوتا ہے۔

طلاق کی ذمے داری کہیں مردوں پہ ڈال دی جاتی ہے، کہیں عورتیں خطاوار ٹھہرتی ہیں، کہیں کسی خاص رویے کو طلاق کی وجہ سمجھا جاتا ہے۔ ممکن ہے کچھ واقعات میں کوئی ایک چیز وجہ ہو یا کوئی ایک شخص اس کا ذمے دار ہو، لیکن بحیثیت مجموعی اگر معاشرے کا رویہ دیکھا جائے تو اس کے بہت سارے عوامل ہیں۔ میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والی معمولی سی رنجش یا ان بن کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں جانبین کے عزیز واقارب دوستوں رشتے داروں کا بھی حصہ ہوتا ہے، کم زور خاندانی نظام کا بھی اس میں عمل دخل ہے، ایک اہم کردار میڈیا بھی ادا کر رہا ہے، وہ ڈرامے جو آج کل دکھائے جارہے ہیں، موبائل کا بے جا اور بے تحاشا استعمال، عدمِ برداشت بداخلاقی اور روز افزوں بے حیائی ان تمام عوامل سے ایسا ماحول بن رہا ہے کہ طلاق جیسا ناپسندیدہ فعل ناگزیر لگنے لگا ہے جب کہ یہ طلاق درحقیقت معاشرے کے لیے ایک ناسور بن کر رہ گیا ہے۔ اگر تقویٰ کی راہ اختیار کی جائے تو تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں، لیکن اس طرف کسی کی توجہ ہی نہیں ہوتی، ساری توجّہ سن گن لینے اور تمام توانائی اس میں اپنی اپنی مرضی کا رنگ بھرنے میں لگ جاتی ہے۔

شوہر اور بیوی، ایک دوسرے کا لباس، ایک دوسرے کے لیے سکون کا باعث، ایک دوسرے کے لیے بہت بڑی فضیلت اور اہمیت کے حامل، ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی، آپس میں ایک دوسرے کا پردہ رکھنے والے، ایک دوسرے کی عزت نہ اچھالنے والے، اپنی راز کی باتیں راز ہی میں رکھنے والے اتنا قرب کا رشتہ پھر بھی اس میں دراڑ پڑ جاتی اور بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

کبھی یہ نازک رشتہ کچھ فرسودہ روایات کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے کہ جہیز کم یا معیار کے مطابق نہیں، وہی شکل وصورت جو پہلے بہت اچھی لگی تھی، شادی کے بعد آنکھ کا کانٹا بن جاتی ہے۔ کہیں تعلیم کی کمی کے طعنے ہوتے ہیں اور کہیں زیادہ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے احساسِ برتری کا خمار، کہیں بیٹے کی طلب تو کہیں بیٹی کے لیے تڑپ، غرض ذرا ذرا سی بات پہ یہ مقدّس رشتہ کسی ایک یا چند افراد کی اَنا کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔

خاندانی نظام جو کبھی پاکستانی معاشرے کی پہچان تھا، وہ آج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ کہیں لوگ اپنے بزرگوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے، کہیں بزرگ بچوں کے ہنسی مذاق اور شور شرابے سے اُلجھ کر اپنا وقت اولاد کی اولاد کو دینے کے بجائے ٹی وی، فضول باتوں اور کاموں میں ضایع کر دیتے ہیں۔ غرض! یہ کہ بچوں میں شروع ہی سے گھر اور خاندان کا وہ نقشہ نہیں بن پاتا جو کبھی اس معاشرے کا خاصا تھا۔

جہاں تک بات معاشرتی بگاڑ کی ہے تو اس میں میڈیا کا کردار نہایت زوردار ہے۔ پچھلے چند سالوں میں جس سوچ اور جن اقدار کو ڈراموں کے ذریعے پروان چڑھایا گیا ہے اور جس طرح بے حیائی اور بے باکی کو اشتہارات کے ذریعے عام کیا گیا ہے تو اسی طرح کے نتائج کی توقع کی جارہی تھی۔

انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کا جس کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے لوگ ایک دوسرے کے بجائے اپنے فون یا لیپ ٹاپ کو زیادہ وقت دیتے ہیں۔ اِس جدید تکنیک کے جہاں بیش بہا فوائد ہیں، وہیں بے شمار جذباتی اور جسمانی نقصانات بھی سامنے آرہے ہیں۔

مردوزن کا اختلاط، بھڑکتا لباس، نگاہیں خیرہ کرنے والا میک اپ، گفتگو میں بے باکی جائز اور حلال رشتوں کی قدر کم کر دیتا ہے۔ سکون کی تلاش میں سوشل میڈیا کا سہارا لیا جاتا ہے تو وہاں بھی وہی کچھ نظر آتا ہے جس سے اپنے گھر اور گھر والوں کی اہمیت اور حیثیت کم ہوتی ہے۔

کبھی اپنی زندگی اُمیدوں پر پوری اترتی نہیں محسوس ہوتی، کبھی ملازمت بے کار لگتی ہے، کبھی اسٹیٹس کا دکھ پریشان کرتا ہے، کبھی جیون ساتھی کی خامیاں ڈسنے لگتی ہیں اور اس کی خوبیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، گھر میں جی نہیں لگتا، اپنے پیاروں کی باتیں اور مشورے زہر لگتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ذرا ذرا سی بات بڑھتے بڑھتے دلوں میں سوچ میں رویّوں میں اتنی دوری ہو جاتی ہے کہ ہر وقت لڑائی جھگڑے کا ماحول بن جاتا ہے۔ اگر نشست و برخواست پر غور کیا جائے اچھے ہم نشین تلاش کیے جائیں، تقوی کی راہ ختیار کی جائے، کسی واقعی ہم درد اور مخلص سے مشورہ لیا جائے تو یہ تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔

البتہ کچھ معاملات اور کچھ لوگوں کے حالات اتنے دگرگوں ہوتے ہیں کہ ہر تدبیر ناکام ہو جاتی ہے یا یوں کہہ لیں کہ بگاڑ اتنا آجاتا ہے کہ کوئی چارہ ہی نہیں رہتا تو ایسے حالات میں قدرت کی رہ نمائی موجود ہے، کاتبِ تقدیر نے اپنی کتاب کی سُورَت ''النِّسآء'' میں لکھ دیا ہے کہ:

''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کرلیں اور صلح خوب (چیز) ہے اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں اور اگر تم نیکوکاروں اور پرہیزگاری کروگے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' (النسآ:128)

''اور اگر میاں بیوی میں موافقت نہ ہو سکے اور ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی دولت سے غنی کردے گا اور اللہ بڑی کشائش والا اور حکمت والا ہے۔'' (النسآ:130)

''اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔'' (النسآ:132)

وعدے کی اہمیت

عبدالمتین

وعدے کی تعریف اور ضرورت :جب ہم کسی کام کی تعمیل کا ذمہ لیتے ہیں تو اسے وعدہ کہا جاتا ہے۔
چوں کہ انسان لین دین کا محتاج ہے، اسی لیے اسے بعض اوقات وعدے کی بنیاد پر بہت سے امور ملتوی رکھتے ہیں۔
لہٰذا جو وعدے کو پورا کرتے ہیں، وہ آپس کے اعتماد اور بھروسے کو برقرار رکھتے ہیں اور وعدے کی خلاف ورزی آپس میں غفلت اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کرتی ہے، جو کہ معاشرے کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔

وعدے کا ذکر قرآن کریم میں : قرآن کریم سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا: "وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا" ترجمہ: وعدے پورے کیا کرو، یقیناً وعدوں سے متعلق قیامت میں سوال کیا جائے گا۔
اللہ رب العزت سورۃ اٰلِ عمران میں اپنی ذات سے متعلق فرماتے ہیں "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔
ہمارا ایمان ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن و حدیث میں ہم سے جو جو وعدے بیان فرمائے ہیں، وہ پورے ہو کر رہیں گے۔

وعدے کا ذکر حدیث میں : وعدے کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی اس معروف روایت سے بھی ہوتا ہے، جس میں منافق کی تین نشانیاں ذکر فرمائی ہیں:

1. جھوٹ بولنا
2. وعدہ خلافی کرنا
3. امانت میں خیانت کرنا

مطلب یہ کہ جو شخص وعدے کی پاس داری نہیں کرتا، وہ دراصل اپنے ایمانی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، جو کہ منافق کی مختلف نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے۔

وعدہ اور سیرت النبی ﷺ : واقعہ معروف ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احد جیسے عظیم غزوہ میں صرف اس وجہ سے شرکت سے منع فرمایا کیوں کہ مکہ سے مدینے سفر کے دوران انھوں نے بعافیت پہنچنے کی خاطر ابو جہل سے وعدہ کیا تھا کہ ہم مدینہ جا کر آپ سے لڑائی نہیں کریں گے۔

لمحہ فکریہ : قرآن و حدیث اور سیرت کے ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے کہ وعدے کی پاس داری کا عمل ہماری زندگی میں کس قدر اہم ہے اور ہم اس کی ادائگی میں کس قدر سچے ہیں۔
بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ ہم کسی کو وقت دے کر، کسی سے قرضہ لے کر، کسی کو اپنے انتظار میں بٹھا کر کس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہیں۔
اسی طرح ہم اپنی ملازمت اور معاہدے وغیرہ میں کس قدر پورے اترتے ہیں اور ادھوری ذمہ داری کے ساتھ ہم کس طرح اپنی روزی حلال سے حرام کر دیتے ہیں۔
یہ سب سوچنے کے پہلو ہیں، اللہ رب العزت ہم سب کو سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یعنی اللہ رب العزت جو ہر بندے کے تمام حالات سے باخبر ہیں، وہ اپنے بندے یا بندی کے لیے خود یہ راستہ متعین کر رہے ہیں کہ پہلے معاملات کو اچھی نمٹانے کی کوشش کی جائے کیوں کہ صلح ہی بہتر ہے اور یہ پرہیزگاری کی نشانی ہے، لیکن اگر ہر تدبیر بے کار جائے تو پھر اللہ کی حکمت پر شاکر و صابر رہا جائے اور مکمل بھروسا کیا جائے، بے شک اللہ کی مصلحت اور فیصلے ہی بہترین ہیں۔

ہاں! یہ ضرور یاد رہے کہ دنیا کی زندگی فانی ہے اور اصل زندگی تو موت کے بعد شروع ہوگی۔

زندگی کیا ہے؟ ایک تلخ حقیقت کے سوا
وہ جسے تم نے اور میں نے سمجھا ہی نہیں
موت کیا ہے؟ ایک جُہدِ مسلسل کے سوا
وہ جسے میں نے اور تم نے دیکھا ہی نہیں
آؤ! کہ اب تو آجاؤ کوشش کر لیں
پھر کہیں خلش ہی رہ جائے نہ خالی دل میں
میں نہیں ہوں گی تو تمہیں کون وفائیں دے گا
تم نہیں ہوگے تو مجھے کون سہارا دے گا
زندگی تلخ سہی پیار بھی ہو سکتا ہے
ایک دوجے سے یہ اظہار بھی ہو سکتا ہے
موت سے ایک دن ملنا ہے ہمیں مان لیا
اُس کی تیاری کا سامان بھی ہو سکتا ہے

بلا عنوان

عمارہ فہیم

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 31 مارچ ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں

"ماریہ! ماریہ!" فاطمہ نے مدرسے سے آتے ہی موبائل میں گم اپنی کزن ماریہ کے قریب آکر بلند آواز سے اسے مخاطب کیا۔

"کیا ہو گیا! کوئی لاٹری نکل آئی ہے یا کوئی خزانہ مل گیا ہے جو اتنی زور سے چیخ رہی ہو اور نہ صرف چیخ رہی ہو بلکہ خوشی چہرے سے بھی پھوٹ رہی ہے۔"

ماریہ نے ایک نظر فاطمہ کو دیکھا اور پھر اپنی موجودگی کا ثبوت دیتے ہوئے دوبارہ موبائل میں کھو گئی۔

"یہی سمجھ لو! لاٹری نکل آئی ہے، کیوں کہ بات ہی ایسی ہے جس پر خوش ہونا بنتا ہے، بلکہ میرے تو انگ انگ میں خوشی کی لہر دوڑ رہی ہے۔"

فاطمہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا، جیسے کوئی تازہ ہوا یا پھول کی خوش بو کو اپنے اندر اتار رہی ہو۔

"اب بتا بھی دو! کہ آخر بات کیا ہے؟ فضول میں سسپینس پیدا کر رہی ہو۔"

"پہلے تم اپنا موبائل تو رکھو! تب ہی تو بتاؤں گی نا! آج میری دوست بتا رہی تھی کہ کراچی ایکسپو سینٹر میں کتب میلا لگنے جا رہا ہے، پچھلے سال کم بخت کورونا کی وجہ سے نہیں ہو سکا تھا، مگر اس بار پورے اہتمام اور تزک و احتشام سے لگ رہا ہے، وہ بھی ماشاء اللہ پورے پانچ دن تک! ہے نا خوشی کی بات!"

فاطمہ نے پہلے تو ماریہ کا موبائل چھین کر ایک طرف رکھا اور پھر جلدی جلدی ساری بات بتائی۔

"افف! اس میں خوشی سے اچھلنے والی کیا بات تھی، جو جاسوسی ناولوں کے کرداروں کی طرح سسپینس پھیلا رہی تھیں۔"

ماریہ نے منہ بسور کر جواب دیا اور دوبارہ موبائل اٹھانے لگی، جسے فاطمہ نے فوراً سے پہلے ہی دور کر دیا۔

"میڈم! ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی، اس لیے اس کھلونے کو بعد میں دیکھنا، پہلی بات تو یہ کہ میں کسی جاسوسی کہانیوں کے کرداروں میں سے نہیں ہوں، بلکہ جیتی جاگتی حقیقت ہوں اور دوسری بات یہ کہ بات خوشی کی ہے تو خوش تو ہوں گی ہی، اب تمہاری طرح بور سی دنیا و جہاں سے بے خبر خلائی مخلوق تو ہوں نہیں، جسے خوشی کی خبر سن کر خوشی نہ ہو۔"

فاطمہ نے بھی دوبدو جواب دیا۔

"بیٹا جی! میں کوئی دنیا جہاں سے بے خبر رہنے والی خلائی مخلوق نہیں ہوں، کیوں کہ جسے تم کھلونا کہتی ہو نا! اس میں ہر طرح کی خبریں، کتابیں ہر چیز مل جاتی ہے، ہاں البتہ تم ضرور نانو، دادو کے ٹائم کی بدروح ہو جو آج ہمارے گھر میں بھٹک رہی ہو، تب ہی تو آج تک کتابوں میں ہی گھسی رہتی ہو، ویسے ملتا کیا ہے تمہیں ان بھاری بھر کم کتابوں کو اٹھا کر؟ چلو! یہ بھی چھوڑو! یہ ہی بتا دو کہ آج کل کس کے پاس وقت ہے کتابیں خریدنے، پڑھنے کا اور اس سے بھی بڑھ کر کسی کے پاس انھیں رکھنے کی جگہ کہاں ہے؟"

ماریہ نے ہنستے ہوئے کہا اور نفی میں گردن ہلاتی موبائل لینے لگی۔

"چلو! میں تو بدروح ہوں اور وہ بھی ایسی جسے صفحات کی خوش بو، تحریروں کے الفاظ اپنی طرف کھینچتے تو ہیں، تم تو بدذوق روح ہو جو شاید سارے احساسات سے عاری ہے، تب ہی تو تم ایسے سوال کرنے لگ گئی ہو۔ اب تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا، تاکہ تمہیں تمہارے سوالوں کا جواب مل سکے۔"

فاطمہ نے دوٹوک انداز میں کہا اور کپڑے تبدیل کرنے جانے لگی تو ماریہ نے اسے روکا اور دونوں میں کافی دیر جانے نہ جانے پر بحث ہوتی رہی، بالآخر فاطمہ کی جیت ہوئی اور وہ اسے جانے پر راضی کر چکی تھی۔

دونوں اپنے چاچو کے ساتھ کراچی ایکسپو سینٹر پہنچیں۔ دور سڑک سے ہی چہل پہل، گہما گہمی نظر آ رہی تھی اور پارکنگ میں تو گاڑی پارک کرنے کی جگہ نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔

"بات سنو! یہاں صرف بک فیئر ہے یا کوئی پروگرام بھی ہے جو پارکنگ تک فل ہے۔"

ماریہ نے حیرت سے کہا تو فاطمہ نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

داخلی دروازے سے گزرتے ہوئے بڑے سے کشادہ ہال میں آنے کے بعد چاچو نے ہال نمبر 1 کا رخ کیا تو دونوں نے ان کی پیروی کی، ارد گرد لوگوں کا ہجوم، کیمرہ مین، وغیرہ کو دیکھ کر ماریہ تو حیرت کے سمندر میں ڈوبتی جا رہی تھی، لیکن ابھی تو اسے کتابوں اور کتابوں کے دیوانوں سے بھرے تین ہال دیکھنے تھے۔

"ہال نمبر 1، 2 اور 3 میں مختلف اداروں کے اسٹالوں پر وقتاً فوقتاً رکتے فاطمہ اپنی پسندیدہ کتابیں لے رہی تھی، ساتھ ماریہ کو بھی کہہ رہی تھی کہ "دیکھ لو! اگر اپنی یونی کے سلیبس کے اعتبار سے یا ویسے ہی کوئی کتاب لینی ہے تو!" اور ماریہ تو بس یک ٹک سب کو دیکھے جا رہی تھی اور اپنی سوچ کی نفی کر رہی تھی کہ اب کتابوں کا دور نہیں رہا۔"

اس نے بھی حیرت کے سمندر سے غوطہ لگا کر سر باہر نکالا اور فاطمہ کی بات کی طرف توجہ کی اور کتابوں کے سمندر سے اپنی مرضی کے کچھ موتی چن لیے۔

فاطمہ نے مختلف ادیبوں سے کتابوں پر آٹو گراف لیے اور پھر دونوں نے چاچو کے ساتھ اچھا سا ڈنر کیا، چائے پی اور گھر کا رخ کیا۔

"تو ماریہ! تمہیں آج کیسا لگا؟"

فاطمہ اور چاچو دونوں نے ماریہ کی حالت دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنی سوچ کی نفی خود کر رہی ہے، مگر اس کے اپنے تاثرات اس کی زبانی سننے کا اپنا مزہ تھا۔

"یار! آج جو میں نے دیکھا، وہ سب تو بیان سے باہر ہے، ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر طرف پھول ہی پھول ہوں، جن کی خوش بو ہر سو پھیل رہی ہے اور اس خوش بو اور پھولوں کے رس سے نفع اٹھانے کے لیے تتلیاں، پروانے، شہد کی مکھیاں، ہر کوئی ان کی طرف رخ کر رہا ہے، وہ کسی نے شاید اردو کے لیے کہا ہے نا!

"ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں"

میں یہ جملہ آج کتابوں کے لیے بولتی ہوں: ابھی بہت لوگ باقی ہیں جو کتابوں کا ذوق رکھتے ہیں، ابھی کتابوں کا دور باقی ہے۔" ماریہ نے ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں اپنے تاثرات بیان کرنے کی کوشش کی۔"

"بچو! کتاب صرف چند صفحات یا ادیب کے لکھے کچھ جملے نہیں ہوتے بلکہ کتاب ایک احساس، ایک کیفیت، خوشی، غم، تعلق ہر چیز کا نام ہے، کیوں کہ لکھنے والا صرف لکھتا نہیں ہے بلکہ وہ اندر کے احساسات کو لفظوں کے ذریعے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سب تو اب موبائل ایپس یا گوگل

بقیہ صفحہ 30 پر

دوسری قسط

مسیحا کی ناانصافی

عاتکہ سلیم

ایکسکیوزمی! یہ سن کر وہ سب اس کی طرف مڑے۔
اس لڑکے کو دیکھ کر اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ ایک دم غصے میں بولا۔
"تم، تم یہاں پہنچ گئے مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی سارا پلان برباد کر دیا تم نے میرا، کیا ضرورت تھی تمہیں کہ تم میرا پیچھا کرو، کسی لڑکی سے ملنے نہیں جا رہا میں۔" غصے سے کہتا ہوا واپس مڑا، گاڑی کا دروازہ زوردار انداز سے بند کیا اور وہاں سے نکل گیا۔
"کون تھا یہ لڑکا؟ دِکھنے میں آپ کی طرح لگ رہا تھا۔" اشارہ نے حیرت سے کہا۔
"I don't know" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

◆◆◆

شافع انتہائی غصے کے عالم میں گھر میں داخل ہوا۔ لیونگ روم میں اس کے ماما، پاپا بیٹھے تھے۔ اسے یوں آتا دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے جبکہ وہ انھیں نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
"شافع!" اس کے بابا نے اسے آواز دی۔ وہ رُکا مگر مڑا نہیں۔
"کیا بات ہے بیٹا!" انھوں نے شفقت سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" کرخت دار لہجے میں جواب دیا گیا۔
شایان صاحب افسردہ چہرے لے کر بیوی کو دیکھنے لگے جو خود سراپا حیرت سے کھڑی تھیں۔
"کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتا ہوں۔" کہتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔
دونوں اسے جاتا دیکھتے رہے۔
دھڑام، زور سے کمرے کا دروازہ بند ہوا تھا، جس سے شایان صاحب جیسے ہوش میں آئے اور صوفے پر بیٹھ گئے۔
قریباً آدھے گھنٹے بعد شاویز گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ شافع کی گاڑی کھڑی تھی۔
"اوہ، تو آ گئے ہیں صاحب۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔
"کیا بات ہے چھوٹے صاحب! شافع صاحب اور ان کی گاڑی کو دیکھ کر ہمیشہ کچھ نہ کچھ آپ بڑبڑاتے رہتے ہیں۔"
اسے بڑبڑاتا دیکھ کر چوکیدار بولا، جو پچھلے کئی دنوں سے اس کی حرکات نوٹ کر رہا تھا۔
"کچھ نہیں انکل۔ بس بھائی سے پرانی دشمنی ہے، کچھ کہہ نہیں سکتا انھیں، سو گاڑی اور انھیں دیکھ کر دل کی بھڑاس نہ نکالوں تو مر جاؤں گا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔
اور چوکیدار انکل ہنستے ہوئے بولے: "اَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ" بیٹا ہنس مکھ ہو تم۔
"جزاک اللہ انکل۔" کہتا ہوا وہ اندر آ گیا۔
شاویز موم ڈیڈ کو سلام کر کے کچن میں چلا گیا۔ پانی کی بوتل اور گلاس لایا تھا موم ڈیڈ کو پلا کر خود پیا اور بولا۔
"کیا بات ہے بابا! آپ پریشان لگ رہے ہیں۔" اس نے باپ کی پریشانی کو بھانپ لیا تھا۔
"کچھ نہیں بیٹا! شافع ابھی کچھ دیر پہلے بہت غصے میں گھر آیا تھا۔ پہلے میں نے اسے کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا! جانتے ہو آپ کے کہاں گیا تھا وہ۔" انھوں نے شاویز سے کہا۔
"اچھا!" وہ حیرت سے بولا۔
"معلوم نہیں، مگر جاتے ہوئے بہت خوش لگ رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا انڈیا کو شکست دے کر جا رہے ہیں۔" اس نے شافع کی انڈیا سے دیرینہ دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے کہہ رہے تھے کسی دوست سے ملنے جا رہا ہوں! خیر میں دیکھ لیتا ہوں آپ پریشان مت ہوں۔"
اس نے والد کو تسلی دیتے ہوئے کہا اور اٹھ کر اوپر جانے لگا۔
"بیٹا ذرا خیال سے! وہ تمہیں کچھ کہہ نہ دے۔" فاطمہ بیگم نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا، کیوں کہ وہ شافع کے غصے سے خوب واقف تھیں۔
"ہوں ں ں Don't worry میں سنبھال لوں گا۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔
اوپر جا کر اس نے شافع کے کمرے کے دروازے پر Knock کیا اور اندر چلا گیا۔
شافع آنکھیں موندے بیڈ پر دراز تھا۔ اس کی ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھیں، شوز بھی پہن رکھے تھے، اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔
آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بیڈ کے پاس آیا اور بولا۔
"کیا بات ہے باس! اتنے غصے میں کیوں ہو؟"
اس کے بات کرنے کی دیر تھی کہ شافع پھٹ پڑا۔
"میرے روم میں؟ چلے جاؤ یہاں سے، نکلو باہر۔"
"بٹ بھائی!" وہ کچھ کہنے والا تھا کہ وہ چلایا
Shutup and go out side پلیز شاویز leave me alone پلیز۔۔۔۔
"آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟" شاویز خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔
"میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ میں۔۔۔۔" شافع کا غصہ عروج پر تھا، اس کا چہرہ لال ہو چکا تھا۔ شاویز خاموشی سے نکل کر چلا گیا جبکہ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

◆◆◆

"شائزہ بیٹا! اس دن میں نے آپ کو بلایا، مگر آپ شاید کسی وجہ سے نہ آ سکی ہوں گی، مگر آج آپ آ ہی گئی ہیں تو میں آپ کو بتاؤں کہ کالج میں ہونے والے Annual Function میں آپ نے Presentation کرنی ہے۔" سر نے اسے بلانے کی وجہ بتائی۔
"مگر سر میں اکیلے I mean میں کیسے manage کروں گی؟" وہ فکر مندی سے بولی۔ "نہیں بیٹا، یہ آپ سے کس نے کہا کہ آپ اکیلی کریں گی، اس سال ہمارے کالج میں ایک انتہائی ہونہار طالب علم نے داخلہ لیا ہے وہ آپ کے ساتھ کروائیں گے۔"
"مگر سر میں ان سے مل سکتی ہوں کیا؟" شائزہ بولی۔
"Why not بیٹا میں نے انھیں بھی آنے کا کہا تھا، وہ آتے ہی ہوں گے۔" سر گھڑی دیکھتے

ہوئے بولے۔
"U Known وہ ڈاکٹر عثمان ڈار کے بیٹے ہیں۔" سر نے کچھ توقف کے بعد کہا۔
"رئیلی سر! ڈاکٹر عثمان ڈار کے۔" اس نے بہت اشتیاق سے کہا کیوں کہ ڈاکٹر عثمان ڈار پاکستان کے سب سے بڑے ہارٹ اسپیشلسٹ تھے۔
"لیجیے بیٹا آگئے! باذل ڈار!" انھوں نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔
شائزہ نے دروازے کی طرف دیکھا اور گویا کہ پتھر کی ہو گئی۔
وہی چال ڈھال، وہی انداز، کیا قد، کیا شکل۔ وہ ایسے ہی کھڑی رہ گئی۔
"شائزہ، شائزہ بیٹا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" سر اس کے آگے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولے۔
"جج جی سر، مم میں ان کے ساتھ نن نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ تیزی سے دروازے کی طرف دوڑی۔
اندر آتے باذل کو کراس کرتی ہوئی وہ باہر کو دوڑی، جہاں اس کی فرینڈز اس کے انتظار میں تھیں۔
"شازی کیا ہوا؟ کیا کہہ رہے تھے سر؟" وہ اس کی حالت دیکھے بنا شروع ہو گئیں۔
"شائزہ۔۔۔ وہ اسے پکڑتے ہوئے بولیں مگر۔۔۔۔"

دو مہینے گزر گئے، مگر شائزہ کی خاموشی نہیں ٹوٹی، وہ اس کے بعد بہت خاموش خاموش رہنے لگی تھی۔ اس نے سر کو منع کر دیا تھا کہ وہ Annual Function میں بالکل بھی Participate نہیں کر رہی۔
اس کی گروپ کی لڑکیاں اس کی وجہ سے بہت پریشان تھیں، انھوں نے اس دوران کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا، مگر شائزہ وہ بالکل ہی خاموش رہتی تھی، ان کے ہنستے مسکراتے گروپ کو کسی کی نظر لگ گئی تھی جو ہر وقت شوخیاں کرتی تھیں، ایک دم سے جیسے سب رُک سا گیا تھا۔
"شازی، چلو کینٹین چلتے ہیں۔" عائشہ نے آکر کہا۔
"نہیں، میرا موڈ نہیں ہے۔ میری وجہ سے خود کو پریشان مت کرو، جا کر کچھ کھالو کینٹین سے۔" وہ بولی۔
"شازی، یہ سب کیا ہے؟ بس کرو، اتار پھینکو اس خاموشی کے خول کو تمہیں معلوم ہے اس دنیا میں ایک شکل کے، ایک آواز کے کئی لوگ ہوتے ہیں تو وہ ایسا ہی ہوگا۔" راحیلہ نے گویا پوری تقریر کر ڈالی۔
"تو پھر وہ صرف مجھے ہی کیوں دِکھتا ہے اور کسی کو کیوں نہیں۔" شائزہ نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔
"کیوں کہ میری جان تمہیں وہ جس طرح دِکھتا ہے، اسے صرف تم نے دیکھا ہے، سمجھی میری جان۔" سونا نے سنجیدگی سے کہا۔
"اگر میں تمہیں دکھاؤں، تم بھی ایسا ہی کہو گی۔" شائزہ نے ان سے کہا۔
"چلو دکھاؤ ہمیں اپنے بھائی کی pics" وہ بولی۔
شائزہ نے انھیں تصویریں دکھائیں تو عائشہ بولی: "تم دو تین pics مجھے سینڈ کرو۔"
"لیکن کیوں؟" شائزہ اس سے بولی۔
"Send کرو، پھر بتاؤں گی۔" عائشہ بولی۔
شائزہ نے اسے تصویریں سینڈ کیں تو اس نے عابش کو اشارہ کیا اور دونوں وہاں سے چل دیں۔

شافع اور شاویز اب آپس میں زیادہ بولتے بھی نہیں تھے، گھر میں مکمل اداسی تھی، بس ایک مہینہ تھا پھر شائزہ نے بھی گھر آنا تھا۔
شافع اور شاویز دونوں اس دن کی لڑائی کو بھلا نہیں سکتے تھے کہ شاویز کی Birthday آگئی۔ گھر میں کچھ رونق ہو گئی، یہ سوچ کر فاطمہ بیگم نے کچھ قریبی رشتہ داروں اور شاویز، شافع کے دوستوں اور پڑوسیوں کو مدعو کیا تھا۔
انھوں نے صبح سے گھر کی صفائی کروانا شروع کروادی۔ سارے گھر کو خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔
شاویز کمرے سے نکلا تو اسے گھر کو یوں سجا سجادِ کھا تو کچھ سمجھ نہ پایا۔ ابھی وہ اوپر سے نیچے گھر کے منظر کو دیکھ رہا تھا کہ اس کے کمرے کے بالکل سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور شافع باہر نکلا وہ جو دروازے کی آواز سن کر اس طرف متوجہ ہوا تھا، شافع کو دیکھ کر ایک دم ہی منہ پھیر کر نیچے دیکھنے لگا۔
شافع بھی حیران پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں نیچے دیکھنے لگا۔ دونوں بھائیوں کو ایک چھوٹی سی لڑائی نے بہت دور کر دیا تھا، وہ جو ایک دوسرے کے بغیر کچھ پل بھی نہیں بتا سکتے تھے، اب تو ایک دوسرے سے بات کرنا تو درکنار ایک دوسرے کی طرف دیکھتے بھی نہیں تھے۔ شاویز سوچتا "میں نے کچھ کیا ہی نہیں مجھے اتنا کچھ کہا" جبکہ شافع کچھ اور ہی سوچتا۔

سارے مہمان آچکے تھے، مگر شاویز اب تک نیچے نہیں آیا تھا کہ اسد اس کے کمرے میں آیا۔ اسد شاویز کے ماموں کا بیٹا تھا اور شاویز کا گہرا دوست بھی۔ دونوں کی دوستی مثالی تھی۔ خاندان میں ان کی دوستی کی مثالیں دی جاتی تھیں۔
"شاویز! کپڑے پہن کر نیچے آؤ فوراً، یہ میرا حکم ہے۔" اسد نے تحکمانہ لہجے میں کہا، جس پر شاویز مسکرایا۔ اسد نے اس دوران اسے ہنستے نہیں دیکھا تھا، اسے دیکھ کر بولا۔ "تو نہیں آیا تو سمجھ میری تیری ختم۔" لاسٹ وارننگ کے انداز میں اس نے اسے انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔
"اچھا بابا آرہا ہوں! اب ایسا تو نہ کہو نا۔" شاویز کسی بچے کی طرح بولا۔ اسد نہیں جانتا تھا کہ اسے کیا ہوا ہے، اسے بس اتنا معلوم تھا کہ ان دونوں کی لڑائی ہوئی ہے۔ اسے تین مہینے پہلے کا ایک واقعہ یاد آیا جب وہ چھٹی کے دن شاویز سے ملنے آیا تھا۔ آنٹی نے اسے بتایا کہ شاویز کمرے میں ہی ہے، وہ اس کے کمرے میں چلا گیا، جہاں شاویز دنیا سے بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا، وہیں بیٹھ کر وہ ٹیبل پر رکھی کتابوں کا جائزہ لینے لگا، تبھی اسے شاویز کی ڈائری ملی، اس میں ایک پین رکھا ہوا تھا اس نے اس کے صفحے کو کھولا جس میں پین تھا، وہ غالباً گزشتہ رات میں لکھا ہوا صفحہ تھا، تحریر کچھ یوں تھی۔

"پیارے بھائی محمد شافع کے نام"
"تم جانتے ہو مجھے کیا پسند ہے؟؟
برستی بارش!!! سمندر کی لہریں!!! پھولوں کی خوشبو!!! چاندنی راتیں!!!
اچھی شاعری!!!!! اور سب سے زیادہ، اس تحریر کا پہلا لفظ "for you boss"

اسے پڑھ کر اسد مسکرائے بغیر نہ رہ سکا، وہ نہیں جانتا تھا کہ ان بھائیوں کی آپس میں اتنی محبت ہے۔
وہ سوچوں میں غرق تھا، جب لائٹس آف کی گئیں تو شاویز آگیا، شاید بولتے ہوئے وہ اسے wish کرنے کی تیاری کرنے لگا۔
اسی لمحے شاویز کی آواز آئی "اسد یار! لائٹس تو آن کر، جان لے گا کیا؟؟" اسی آواز سے یکدم لائٹس آن ہوئیں اور Happy Birthday to you کا شور بلند ہوا۔"
تقریباً دو مہینوں بعد ان کے چہروں پر خوشی دیکھ کر وہ خوش ہوئیں، مگر۔۔۔ آنے والا وقت انھیں کیا دینے والا ہے، وہ اس سے بے خبر تھی۔

نیا سال، نئے عزائم

عبدالرحمٰن ہاشمی

پٹاخوں کی آوازیں میرے کان کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔ ہر طرف شور شرابہ تھا۔ فائرنگ کی آواز سے درختوں پر سوئے پرندے بھی بیدار ہوگئے تھے۔ یہ صورتِ حال نئے سال کی آمد کے موقع کی تھی، غیروں کی نقالی کرتے اس ہجوم نے مجھے غم زدہ کر دیا۔ میں کچھ دیر بعد سوچوں کے بھنور میں ڈوبتا چلا گیا۔ ہر نئے سال کے آغاز میں یہی ہوتا ہے۔ جب ایک بڑی خلقت سالِ نو کا جشن منانے میں منہمک ہوتی ہے۔

2021 کا سورج اپنے ساتھ بہت سی داستانیں لیے غروب ہو چکا ہے اور جاتے جاتے ہمیں یہ سبق دے گیا ہے کہ وقت کا کام گزر جانا ہے۔ وقت اچھا ہو یا برا گزر ہی جاتا ہے، وہ نہ کسی کی خوشی کی خاطر رکتا ہے نہ کسی کے غم زدہ ہونے کا خیال کرتا ہے۔ سال 2022 کا سورج اپنے تمام تر رعنائیوں کے ساتھ طلوع ہو کر یہ پیغام بھی دے رہا ہے کہ ہر تاریک رات کے بعد روشن صبح ضرور آتی ہے۔ ہر اندھیری رات کے بعد دن کا اُجالا آتا ہے۔ سفر اگر جاری رکھا جائے، سمت درست اور ہمت نہ ہاری جائے تو مسافر منزل پا ہی لیتا ہے۔

سالِ نو کے آغاز پر ہمیں خوب دعا کرنی چاہیے، نئے جذبے اور نئے حوصلے کے ساتھ میدانِ عمل میں اترنا چاہیے۔ سوچ کی بلندی کے ساتھ اپنے اہداف مقرر کرنے چاہییں۔ ماضی کی غلطیوں سے سیکھ کر اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ سوچنا چاہیے کہ ہم الحمد للہ مسلمان ہیں۔ ہم عظیم ترین نبی کی عظیم ترین امت میں سے ہیں۔ ہماری سوچ اور ہمارے ارادے اسی نسبت کی طرح بلند اور عالی شان ہونے چاہییں۔ ہم نے اپنی اہمیت اور اپنے مقام کو نہیں سمجھا، دنیا کی عارضی محبت میں گرفتار ہوگئے۔ سوشل میڈیا اور دوسری چیزوں کی چمک دمک نے ہمیں اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے کہ ہم بس دنیا ہی کے ہو کر رہ گئے۔ کیسے اپنے آپ کو منوانا ہے۔ یہی ہماری سوچ بن گئی ہے۔ پیسے کی دوڑ میں سب بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ ہر آدمی پیسے کمانے کی مشین بن کر رہ گیا ہے۔ زندگی کی حقیقی خوشیاں اور رونقیں تو اب ماند ہی پڑ گئی ہیں۔ یہ چمکتی دنیا یہ رنگینیاں سب ڈھکوسلا ہیں۔ اس کی دائمی حقیقت کچھ نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو یہ طرزِ عمل کسی صورت زیب نہیں دیتا۔ اس کی سوچ ان سب چیزوں سے بہت بلند ہونی چاہیے۔

ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام کی حقیقی حلاوت سے محروم کیوں ہیں؟ ترقی کے بجائے تنزّلی کا شکار کیوں ہیں؟ کیوں دنیا میں ہماری حیثیت گر چکی ہے؟ اپنے اہداف سیرتِ طیبہ اور صحابہ کی زندگیوں کے مطابق مقرر کرنے چاہییں۔ ایک پاکیزہ اور پُرامن معاشرہ تشکیل دینے کے لیے اپنی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن کی تعلیم کے مطابق اس مثبت تبدیلی کا آغاز اپنی ذات سے کرنا ہوگا۔ اس کے بعد اپنے گھر والوں کی فکر کرنی ہوگی اور پھر آہستہ آہستہ اس دائرے کو پھیلاتے جائیں گے۔ محبت سے، پیار سے اور نرمی سے اس کام کو شروع کرنا ہوگا۔ اگر یہ نصب العین بنا لیا جائے تو معاشرے میں حقیقی معنوں میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

بقیہ

بلاعنوان

وغیرہ سے آرام سے فری میں حاصل کیا جا سکتا ہے، فضول میں انھیں خرید کر پیسے برباد کرنا اور پھر رکھنے کے لیے جگہ بنانا! تو میں یہاں یہ کہوں گا کہ مانا انٹرنیٹ و گوگل نے بہت آسانی کر دی ہے، لیکن جو مزہ کتاب کو ہاتھ میں لے کر اس کے احساس کو محسوس کرتے ہوئے پڑھنے میں ہے، وہ ان ایجادات میں نہیں اور دوسری اہم بات اسکرین کو جتنا دیکھا جائے، استعمال کیا جائے، اس کا اثر ہماری صحت، ہمارے جسم پر لازماً ہوتا ہے، کسی کی آنکھیں خراب تو کسی کو نیند کا مسئلہ، کسی کے سر میں درد تو کسی کے ساتھ کوئی اور مسئلہ درپیش ہے، اس لیے جتنا ممکن ہو اسکرین سے پرہیز کرنا چاہیے ،ہاں! ضرورت کے تحت استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔"

چاچو گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے نرمی سے کتاب کی محبت دونوں کے اندر ڈال رہے تھے اور دونوں اپنی کتابوں کو خود سے لگا کر اس کے احساس کو محسوس کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سرشار ہو رہی تھیں اور ماریہ تو کتاب سے محبت کا عہد کر رہی تھی۔

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

کامران کا جہاز

ام عبداللہ

کامران اپنے ابا کے ساتھ سودا خریدنے مارکیٹ آیا ہوا تھا کہ کھلونوں کی ایک دکان کے سامنے جیسے اس کے قدم جم سے گئے۔ "ابا، ابا جی! وہ والا جہاز، وہ والا جہاز دلا دیں نا مجھے۔" اس نے الماری میں سجے ایک بڑے سائز کے ریموٹ کنٹرول جہاز کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے ابا جی نے مڑ کر جہاز کی جانب دیکھا پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے: "نہیں بیٹے! یہ میں نہیں دلا سکتا آپ کو۔ اسکول کی فیس جمع کروانی ہے ابھی۔" وہ منہ بسور کے رہ گیا۔

"امی، امی جی! وہ دکان میں اتنا خوب صورت جہاز دیکھا ہے میں نے۔ اتنا بڑا۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی امی کو بتایا۔ ریموٹ سے چلتا ہے۔ آپ مجھے لے دیں نا۔ گھر واپس آ کر اس نے اپنی امی سے ضد کرنا چاہی۔ "نہیں بیٹے اور بہت سے ضروری اخراجات ہیں، جس جہاز کی تم فرمائش کر رہے ہو وہ بہت مہنگا ہے۔ میں نہیں خرید کے دے سکتی تمہیں۔" ابا جی کے صاف انکار کے بعد امی نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا۔ وہ بجھے دل کے ساتھ امی کے پاس سے اٹھ کر باہر صحن میں آ گیا۔ یہاں دادا جان اپنی مخصوص چارپائی پر بیٹھے کاغذ قلم ہاتھ میں لیے کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ چارپائی کے ساتھ ہی ان کی لاٹھی بھی پڑی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ دادا جان سے جہاز کی فرمائش کرے، لیکن ان کو سنجیدہ دیکھ کر اسے لگا کہیں اس کی پٹائی ہی نہ کر دیں، اداسی نے چاروں جانب سے اس کے ننھے سے دل کو جکڑ لیا۔

وہ مرے ہوئے قدموں سے چپ چاپ چلتا ہوا باہر چمن میں گھاس پر آ بیٹھا۔ آج اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ رنگ برنگی تتلیاں، سرخ گلاب کے پھول اور ہوا میں اڑتے کبوتر جو چمن میں ہمیشہ اس کے لیے کشش کا باعث بنتے، آج بے کیف ہو گئے تھے۔ تنکے سے مٹی کریدتے ہوئے اس کا دل جہاز چلانے کو مچل رہا تھا۔

ایسے میں قریبی مسجد سے اذانِ عصر سنائی دینے لگی۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر! اس نے مؤذن کے ساتھ الفاظ دہرائے: اللہ اکبر! اللہ اکبر!

اللہ سب سے بڑا ہے۔ وہ خود کلامی کرنے لگا سب سے بڑا۔۔۔ مجھ سے بڑا، میرے سے تو سبھی بڑے ہیں، وہ اپنی سوچ پر ہنس دیا۔ اچھا، اللہ بڑا ہے، سب سے بڑا!! میری امی سے، میرے ابو سے، دادا ابو سے بھی بڑا۔۔۔ وہ مسکرا دیا۔

اللہ بڑا ہے، سب سے بڑا! اس درخت سے، سامنے والے پہاڑ سے، سورج سے، اس آسمان سے۔ وہ سب سے بڑا ہے، ہر چیز سے بڑا۔۔۔ اس کی سوچیں آگے بڑھنے لگیں۔ اللہ کے پاس ہر چیز ہے، اللہ ہی کی ہر چیز ہے۔ یہ ہی بتایا تھا نا اس دن ٹیچر نے تو پھر وہ ریموٹ والا جہاز بھی اللہ کا ہے۔ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ ایک خوشی اور جوش سے کھڑا ہو گیا، جس کی ہر چیز ہے اس سے مانگوں گا تو ضرور ملے گی۔ بس میں صرف اس سے مانگوں گا، صرف اسی سے! اس نے خود کو سمجھایا۔

اللہ سے کیسے مانگتے ہیں؟؟؟ ہاں، نماز پڑھتے ہیں، دعا مانگتے ہیں۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ جلدی سے وضو کیا۔ نمازِ عصر ادا کی۔ دعا کی باری آئی تو اپنے پیارے پیارے ہاتھ اللہ کے آگے پھیلاتے ہوئے، بہت مان سے، بڑے سے جہاز کی فرمائش کر ڈالی۔

اس کا خیال تھا، وہ جیسے ہی دعا کر کے جائے نماز اٹھائے گا، وہاں جہاز موجود ہو گا، لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔ اللہ جی جہاز دلا دو نا! اس نے اپنی کتابوں کی الماری اس یقین کے ساتھ کھولی کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں الماری میں اس کے لیے جہاز چھپا دیا ہو گا۔

اب تو یہ اس کا معمول سا بن گیا، وہ چپکے چپکے اللہ تعالیٰ سے جہاز مانگتا اور جوں ہی جگہ جہاز ہی کی امید لیے ہوتا، لیکن جہاز تھا کہ اسے مل ہی نہیں رہا تھا۔ پیارے اللہ جی! امی ابو کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں، میں انھیں تنگ نہیں کروں گا، لیکن آپ کے پاس تو سب کچھ ہے، ایک جہاز ہی کی تو بات ہے، دلا دیں نا مجھے، بھیج دیں نا میرے لیے۔ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے جہاز کی ضد کرتا۔ اب وہ اپنے پلنگ کے نیچے جہاز کی تلاش میں جھانکنے لگا تھا کہ دادا جان کھانستے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ "کامران میاں! یہاں آؤ، دیکھو تو میں کیا لایا ہوں؟" جہاز، دادا جان جہاز لائے ہوں گے۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا دادا جان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ "دکھائیں نا دادا جان، اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔" "یہ لو! سامنے والی دیوار پر لگا دو۔" انھوں نے ایک خوب صورت کیلنڈر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "یہ کیا؟" اس کو دھچکا سا لگا۔ "یہ دیکھو کیسے خوب صورت پھول بنے ہیں اس پر، ساتھ ہی ہر صفحے پر ایک حدیث بھی لکھی ہے۔" دادا جان نے کیلنڈر واپس اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے خود ہی دیوار پر لگا دیا۔

"پڑھو تو کیا لکھا ہے، میں عینک کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں۔" اس کی دل کی دنیا سے بے خبر دادا جان اس سے باتیں کیے جا رہے تھے۔ وہ بے دلی سے کیلنڈر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سرخ اور سفید گلابوں کے ساتھ لکھے ہوئے خوب صورت الفاظ کیلنڈر کو جگمگا رہے تھے۔

قبولیت دعا کی مختلف صورتیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: "مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا" (غافر: 60) لیکن دعا کی قبولیت کی تین مختلف صورتیں ہیں، جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری (رض) سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب بھی کوئی مسلمان ایسی دعا کرے، جس میں گناہ یا صلہ رحمی نہ ہو تو اللہ رب العزت تین باتوں میں سے ایک ضرور اسے نوازتے ہیں، یا تو اس کی دعا قبول فرما لیتے ہیں یا اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتے ہیں اور یا اس جیسی کوئی برائی اس سے ٹال دیتے ہیں۔ صحابہ کرام نے فرمایا: پھر تو ہم بکثرت دعا کریں گے تو نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ عطا کرنے والا ہے۔" (احمد: 3/18)

بے دلی سے پڑھے جانے والے الفاظ اسے کچھ خاص سمجھ نہیں آ رہے تھے جبکہ دادا جان بہت یقین سے ہر ہر لفظ کے ساتھ سر ہلا رہے تھے۔

◆◆◆

پھر اس روز اچانک گاؤں سے اس کے چچا، چچی اپنے بچوں کے ہم راہ کامران کے گھر کچھ دن رہنے کے لیے آ گئے۔ ان سب سے مل کر وہ بہت خوش ہوا۔ خاص کر اپنے ہم عمر چچازاد علی سے تو اس کی خوب دوستی ہو گئی تھی۔ علی اپنے ساتھ اپنی کتابیں اور فٹبال بھی لایا تھا۔ اسکول سے چوں کہ چھٹیاں تھیں تو وہ صبح کے وقت مل کر پڑھائی کرتے اور شام کو فٹ بال لیے قریبی کھیل کے میدان میں چلے جاتے۔ وہ دونوں کامران کے اور دوستوں کے ساتھ مل کر خوب کھیلتے۔ اس گہما گہمی میں جہاز کا خیال رفتہ رفتہ اس کے ذہن سے محو ہونے لگا۔

حسب معمول صبح کے وقت وہ پڑھنے بیٹھے تو علی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ چپکے سے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے کے بعد وہ سنجیدگی سے اپنی کتابیں کھولنے لگا۔

"علی بھائی! ایک بات پوچھوں؟" کامران جو روزانہ اسے دعا مانگتے دیکھتا تھا، آج اس کے متعلق جاننا چاہتا تھا۔

"پوچھو!" علی اس کی جانب متوجہ ہوا۔ "آپ نے اللہ تعالیٰ سے کیا دعا مانگی؟"

"کامی بھائی! ابو جی کہتے ہیں ہم مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں دنیا سے بہت

پیچھے رہ گئے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے میں بڑا ہو کر سائنس دان بنوں اور اپنی قوم کا نام روشن کروں۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگتا ہوں کہ وہ مجھے ایک عظیم سائنس دان بنادے۔"

کامران حیرت سے علی کو دیکھنے لگا۔ اس کی اپنی دعا سے کتنی مختلف دعا تھی علی کی۔

"اور کامی بھائی ابو جی یہ بھی بتاتے ہیں کہ دعائیں وہ قبول ہوتی ہیں جن کے ساتھ مسلسل عملی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لیے میں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتا ہوں اور پڑھائی بھی بہت محنت اور توجہ سے کرتا ہوں۔"

◆◆◆

علی جاتے ہوئے اپنا فٹبال کامران کو دے گیا۔

"کامی بھائی یہ میری طرف سے تمہارے لیے۔ جب شام کو دوستوں کے ساتھ مل کر کھیلنا تو مجھے ضرور یاد کرنا۔" اللہ جی۔۔۔ لیکن میں نے تو جہاز مانگا تھا۔ فٹ بال علی کے ہاتھ سے لیتے ہوئے ایک خیال لمحے بھر کو اس کے ذہن میں ابھرا۔

یہ بہت دل چسپ کھیل ہے۔ میں جب گاؤں جاؤں گا تو علی کے لیے بہت اچھا سا تحفہ لے کر جاؤں گا۔ گراؤنڈ میں فٹبال کو زور سے ٹھوکر مارتے ہوئے وہ جہاز کو تقریباً بھول چکا تھا۔

امتحانات شروع ہوئے تو علی اور فٹ بال بھی پیچھے رہ گئے۔

کل اس کا پہلا پیپر تھا۔ اس نے تیاری کے لیے اپنی کتاب کھولی۔ "مجھے سائنس دان بننا ہے، میں بہت محنت اور توجہ سے پڑھائی کرتا ہوں۔" علی کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے۔

"مجھے کیا بننا ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ ماحول میں کسی جہاز کے اڑنے کی آواز گونجنے لگی تھی، وہ جہاز کو دیکھنے کے لیے دوڑ کر صحن میں آگیا۔ کہیں دور بلندیوں کی جانب پرواز کرتا جہاز۔۔۔

"اللہ جی! جہاز دلا دیں نا!! میں بہت محنت اور توجہ سے پڑھوں گا۔" فٹ بال کے ساتھ ساتھ علی جاتے ہوئے اسے اپنی سوچ بھی دے گیا تھا۔ وہ امتحان کی تیاری کے لیے کتابوں کی جانب پلٹ آیا۔

◆◆◆

کیلنڈر پر کئی تاریخیں آئیں اور گئیں۔ اس کی محنت اور توجہ کتنے ہی امتحانات میں اس کی کامیابی کی ضمانت بنی۔ ایک خوب صورت اور روشن دن وہ اپنے فلائنگ انسٹرکٹر کے ہم راہ کھڑا تھا۔

نوجوان ہوا باز۔۔۔ آج سے تمہاری تنہا پرواز کی عملی تربیت کا آغاز ہوگا۔ آگے بڑھو۔۔۔ اپنا جہاز سنبھالو۔۔۔ یہ فضائیں یہ ہوائیں تمہاری ہیں۔۔۔ آگے بڑھو۔۔۔ انھیں اپنے شوقِ پرواز سے تسخیر کرو۔

اس کے سامنے پاکستان ایئر فورس کا تربیتی طیارہ کھڑا تھا۔ اس کے ہر قدم میں بلا کا اعتماد تھا۔ اس کے کانوں میں اپنے بچپن کی ایک اذانِ عصر گونجنے لگی تھی۔

اللہ اکبر! اللہ اکبر! اور وہ اخلاص سے پڑھی گئی نماز اور وہ مان سے مانگی ہوئی دعائیں۔۔۔ اللہ جی مجھے بڑا سا جہاز دلا دو نا۔ جہاز میں پائلٹ کی سیٹ سنبھالتے ہوئے تشکر کے کئی آنسو چپکے سے پلکوں کے بند توڑ کر رخساروں کو چھونے لگے۔ وہ بے اختیار ہو کر دل کی گہرائیوں سے پڑھنے لگا

اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر۔۔۔

اس نے مانگنے والوں کو کب خالی دامن لوٹایا ہے کہ کامران تہی دامن رہ جاتا۔

جہاز ہوا میں پرواز کر رہا تھا، بلندیوں کی جانب۔۔۔ رفعتوں کی جانب۔۔۔ اس کے ساتھی ہوا بازوں میں سے کوئی کہہ رہا تھا۔۔۔ "وہ دیکھو! وہ کامران کا جہاز کتنی بلندی پر چلا گیا ہے!!!"

مکس دال کا مزہ

حوریہ بتول

دوپہر کا وقت تھا۔ حفصہ نے مسور، ماش، مونگ اور چنے کی دالیں ملا کر پکانے کا ارادہ کیا۔ جب چاروں دالوں کو ہنڈیا میں اکٹھا کیا گیا تو مسور کی دال ناک چڑھا کر کہنے لگی۔

"سنو! مونگ اور ماش ہم تینوں کے ساتھ چنے کی دال کو شامل کرنا ہماری توہین ہے۔ میں دالوں کی ملکہ ہوں، گول اور خوب صورت دکھتی ہوں۔ تم دونوں بھی رنگت اور ذائقے میں لاجواب ہو۔ ہم تینوں کو جو ایک بار کھاتا ہے وہ بار بار کھانے کی چاہ کرتا ہے۔ ہم تینوں ایک ساتھ بہت دلکش لگتی ہیں یہ چنے کی دال بہت ہی بدذائقہ اور عجیب ہے۔ لوگ اسے پکانا پسند نہیں کرتے اور یہ ہمارا ذائقہ خراب کرنے چلی آئی ہے۔" مسور کی بات پہ مونگ اور ماش زور زور سے اثبات میں سر ہلایا اور بڑھ چڑھ کے دال چنا کی برائیاں کرنے لگیں۔

"دوستو! میں بھی تم تینوں کی طرح خوش ذائقہ ہی ہوں۔ مجھ میں پروٹین اور کیلشیم بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ مجھ میں موجود آئرن سے خون میں شامل سرخ خلیوں کی مقدار نارمل رہتی ہے۔ مجھ میں گلوکوز کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت بھی ہے۔ جس سے کھانے کے بعد خون میں شوگر لیول تیزی سے اوپر نہیں جاتا۔ مجھ میں بہت ساری خوبیاں ہیں۔ یقیناً تم سب میں بھی کھانے والوں کے لیے بہت سارے فائدے ہوں گے۔ لیکن خوبیاں ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں نہ کہ ہم ایک دوسرے کو کمتر سمجھیں۔"

"آج ہم سب کو شاید ایک ساتھ اس لیے پکایا جا رہا ہے تاکہ ہم سب کے ذائقے اور خوبیاں یکجا ہو کر ایک لذیذ ہانڈی تیار ہو سکے۔" اپنے ساتھیوں کی باتیں سن کر چنے کی دال غصہ کرنے کی بجائے انہیں پیار سے سمجھانے لگی۔

لیکن اکڑو مسور نے اس کی ایک نہ مانی۔ ماش اور مونگ بھی ہنڈیا میں ایک طرف ہو گئیں۔ چنے کی دال نے ان تینوں کی اکڑ دیکھی تو انہیں سبق سکھانے کا فیصلہ کیا۔ اور ان تینوں سے رُخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

حفصہ نے ہنڈیا میں ان چاروں کو پانی ڈال کر پکنے رکھ دیا۔ جب کچھ دیر بعد چیک کیا تو ساری دالیں پک چکی تھیں لیکن چنے کی دال اب تک کچی تھی۔ اس نے مزید پانی گرم کر کے ہنڈیا میں ڈال دیا اور ہانڈی ڈھانپ دی، تینوں دالیں آگ پہ پک پک کر تھک چکی تھیں۔ لیکن چنے کی دال پکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ جب تیسری بار بھی ان تینوں کو چنے کی دال کی وجہ سے مزید آگ پہ رہنا پڑا تو وہ تینوں سمجھ گئیں کہ چنے کی دال ان کی باتوں سے خفا ہے اس لیے اب تک روٹھ کر بیٹھی ہے اور انہیں آگ کی گرمی سہنی پڑ رہی ہے۔ وہ سوچنے لگیں اگر وہ سب ایک ہو کر پکتیں تو اب تک تیار ہو کر دسترخوان کی زینت بن چکی ہوتیں۔ تینوں دالوں نے چنے کی دال سے اپنے برے رویے کی معافی مانگی اور آپس میں گھل مل گئیں، چناں چہ اگلے پانچ منٹ میں چنے کی دال بھی گل گئی۔ حفصہ نے دیسی گھی میں لہسن اور زیرے کا تڑکا لگایا، ساتھ ہری مرچ اور دھنیا بھی ڈالا۔ اور دسترخوان پہ لگا دی۔ سبھی کھانے والے مکس دال کے مزے کی تعریف کر رہے تھے تینوں دالوں نے چنے کی دال کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا اب کسی کو کم تر نہیں سمجھیں گی۔

روئی کے گالے

تنزیلہ احمد

نئی طرز کا کشادہ گھر جتنا باہر سے خوب صورت تھا، اندرونی حصے کی آرائش و زیبائش بھی اتنی ہی دیدہ زیب تھی۔ گھر کا لان رنگ برنگے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ اس سے بھی زیادہ رنگینی و رونق اس میں تھی جو سارا دن کبھی یہاں تو کبھی وہاں اُچھلتا کودتا نظر آتا۔ مگر آج دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد بھی عباد گھر میں بھاگتا دوڑتا نظر نہ آیا تو سب کو تشویش نے گھیر لیا۔ گھر والے اس کی ایسی خاموشی سے پریشان ہو جاتے جو کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوتی۔ انھیں اب یہ جاننے کا تجسّس تھا کہ صاحب بہادر کہاں اور کس کارروائی میں مشغول ہیں۔ بالآخر چھوٹے بھائی نے اسے تلاش لیا۔ وہ ہانپتا ہوا ماں کے پاس آیا "ماما، ماما وہ۔۔۔"

"وہ کیا؟" "ماما وہ۔۔۔ بھیّا اپنے کمرے میں ہے۔ کتابوں والی میز کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہے۔"

"اور وہاں چھپ کر بیٹھا کیا کر رہا ہے؟"

"اس نے اپنا تکیہ پھاڑ دیا ہے۔ روئی پھیلائے کچھ کر رہا ہے۔"

"ہیں! یہ لڑکا نا، پتا نہیں مجھے ستانا کب چھوڑے گا۔ چلو دیکھتے ہیں، اب کیا کر ڈالا ہے۔" اس کا ہاتھ تھامے وہ دس سالہ عباد کے سر پر جا پہنچیں۔

"افف! یہ کیا کر دیا؟" ہر طرف بکھری روئی دیکھ کر انھوں نے سر پیٹا۔ عباد نے سنبل کی روئی سے بھرے تکیے کی درگت بنا دی تھی۔

"کچھ نہیں ماما، بس بادل بنا رہا ہوں۔" عباد کے اطمینان میں رتی بھر فرق نہ آیا۔ اس کے خیال میں وہ کچھ غلط نہیں کر رہا تھا بلکہ کبھی کر ہی نہیں سکتا تھا۔

"یہ دیکھیے روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑتے ہوئے بادل۔ اُجلے سفید، تھوڑے سے سرمئی اور کچھ کالے۔۔۔" اس نے کارڈبورڈ ان کے سامنے لہراتے ہوئے من و عن وہی الفاظ دہرائے جو چند دن پہلے اپنے بابا کے منہ سے سنے تھے۔

"میرے خدایا۔۔۔" انھوں نے اپنا سر پیٹا۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ اسکول میں ملنے والے سائنس پراجیکٹ کے سلسلے میں بابا نے ایک ہفتہ قبل اسے جو ماڈل بنا کر دیا، اس میں روئی استعمال کرتے ہوئے بادل ترتیب دیے تھے۔ کچھ کو سیاہی سے سرمئی اور کالا کر دیا تو کچھ اُجلے ہی رہنے دیے۔ وہ ماڈل اسے بہت پسند تھا، مگر اس کے بابا کا بنایا ہوا ماڈل "بیسٹ ماڈل" قرار دے کر اسکول میں ہی رکھ لیا گیا۔ اپنے لیے وہ اب نیا ماڈل بنا رہا تھا۔

"ارے! بادل ایسے تھوڑی بنتے ہیں۔ بادلوں کے چھوٹے ٹکڑوں کو دھنکی ہوئی روئی کے گالوں سے تو بس تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہم سب تمھیں کبھی کبھار چیکو کہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہوا کہ تم چیکو سے بنے ہو یا چیکو ہی ہو؟"

"ہی ہی ہی" ماما کی بات سن کر احمد کھلکھلا اُٹھا، جب کہ عباد نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"اور یہ تکیے سے روئی کس سے پوچھ کر نکالی ہے؟"

"بابا نے بھی تو ماڈل میں روئی ہی استعمال کی تھی۔" وہ منمنایا۔

"افففف! وہ تکیے سے نہیں نکالی تھی بلکہ روئی کے بنڈل سے لی گئی تھی۔" انھوں نے تیز آواز میں کہا تو اس نے سر جھکا دیا۔ ماما کے جانے کے بعد اس کے ہاتھوں چار سالہ احمد کی شامت لازمی آنے والی تھی۔ اس سے پورے دو ہفتے پہلے گیند لگنے کی وجہ سے ماما کے پسندیدہ پودے کا گملا ٹوٹ گیا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ پودے کی باقیات گملے کی ٹھیکریوں سمیت ٹھکانے لگاتا، احمد نے شکایت لگا دی۔ اس نقصان سے پہلے اس سے شیشے کا گلاس ٹوٹا تھا اور اس کی پوری معلومات بھی احمد نے ادھر سے ادھر پہنچائی تھیں۔ آج اسے سارے پرانے قصے یاد آنے لگے تھے۔

◆◆◆

"بابا آج بھیّا نے پتا ہے کیا کیا؟" شام میں باپ کو دیکھتے ہی احمد چھلانگیں لگاتا ہوا انھیں اطلاع دینے جا پہنچا تھا۔

"میں خود بتا دوں گا، تم بھاگو یہاں سے۔"

"بُری بات۔ چھوٹے بھائی سے ایسے بات نہیں کرتے۔"

"بابا! چھوٹے بھائی کو بھی تو دیکھیں۔ ہر وقت میری ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ میری شکایتیں لگانے کے سوا اسے اور کوئی کام ہی نہیں۔"

"نہیں بابا میں تو۔۔۔" احمد نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ عباد کا کچھ کہنے کے لیے کھلا منہ بھی بند ہوا تھا۔

"آپ دونوں اپنے کمرے میں جائیں۔ میں تازہ دم ہو کر آپ سے بات کروں گا۔" انھیں رخصت کر کے وہ چل دیے۔ اصل معاملہ کیا ہے، چائے پیتے ہوئے انھوں نے بیگم سے پوچھ لیا تھا۔ رات میں وہ بچوں کے کمرے میں پہنچے تو دونوں منہ پھلائے ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کیے بیٹھے تھے۔

"آپ دونوں یہاں آ کر بیٹھیں۔" کرسی پلنگ کے پاس سرکاتے ہوئے انھوں نے دونوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اُدھ مُوا تکیہ اور بورڈ پر نفاست سے بنائے گئے بادل وہ دیکھ چکے تھے۔

"اگر آپ کو نیا ماڈل چاہیے تھا تو مجھے بتاتے، میں مدد کر دیتا۔"

"بابا! پچھلی بار جب آپ نے ماڈل بنایا تو میں نے سب سیکھ لیا تھا۔ مجھے خود بنانا تھا۔ اب میں اتنا بھی چھوٹا بچہ نہیں کہ خود کچھ کر نہ سکوں۔"

"مجھے پتا ہے، میرا بیٹا بہت ذہین اور ہوشیار ہے، مگر آپ کو تکیے کا ستیاناس نہیں کرنا چاہیے تھا۔ سنبل کے تکیے کی یہ حالت دیکھ آپ کی ماما کو بالکل اچھا نہیں لگا۔"

"ہی ہی ہی۔ ماما نے بھیّا کو ڈانٹا بھی ہے۔ ویسے بابا یہ بادل کتنے پیارے ہیں، مگر یہ اب آسمان پر کیسے پہنچیں گے؟" احمد بھاگ کر بورڈ اٹھا لایا۔

"آپ بھی انسان بنیں۔ ہر وقت کی شکایتیں اچھی نہیں ہوتیں۔" انھوں نے پیار سے چھوٹے بیٹے کا گال تھپکا اور مزید گویا ہوئے۔

"اور ہاں بادل یوں نہیں بنتے۔ بادل اللہ تعالیٰ کی ایک خوب صورت اور انتہائی کارآمد تخلیق ہیں۔"

"پھر کیسے بنتے ہیں؟" احمد نے تیزی سے سوال پوچھا۔

"سورج کی حرارت کرنوں کی صورت زمین پر موجود پانی کے ذخائر جیسے سمندر، دریا، بحر وغیرہ تک پہنچتی ہے تو پانی بھاپ بن کر میں ہوا میں تحلیل ہوتا اور بخارات کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ درجۂ حرارت کی کمی کی وجہ سے پانی کی کثافت بڑھتی ہے اور دباؤ بڑھنے کی وجہ سے بخارات

قرارداد پاکستان

بنت ایوب مریم

"اریحہ! کل ہماری اسکول کی چھٹی ہے۔" ایمن نے اسکول سے آتے ہی خوشی سے اچھلتے ہوئے اپنی بہن اریحہ کو بتایا۔ "واہ! ہم نا کل بہت سارا کھیلیں گے۔" اریحہ نے دونوں بازو پیچھے کی طرف کھولے۔

"ہاں ہاں ضرور! تمھیں پتا ہے، میں نے ہالہ سے کہا ہے کہ کل وہ بھی آ جائے۔ مل کر کھیلیں گے۔"

"ٹھیک ہے آپی!" اریحہ نے خوشی سے اچھلتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی۔

"ارے بھئی، کس بات کی اتنی خوشی منائی جا رہی ہے؟" امی نے اسٹرابری ملک شیک کا گلاس دونوں کو تھماتے ہوئے پوچھا۔ "اماں کل ہماری اسکول کی چھٹی ہے۔" "آج اسمبلی میں میڈم نے بتایا تھا۔" "چھٹی؟ وہ کس چیز کی بیٹا؟" "23 مارچ ہے نا کل۔"

"اچھا!" امی نے تائید میں سر ہلایا۔ "23 مارچ کو کیا ہوا تھا بیٹا؟"

"آپی کی چھٹٹٹٹٹٹیی!" اریحہ اچھلتے ہوئے کلکاریاں مار رہی تھی۔ "آپ بتاؤ ایمن بیٹا؟" "جی امی! میم بتا رہی تھیں کہ قرارداد منظور ہوئی تھی۔"

"کس چیز کی قرارداد؟"

"پاکستان بنانے کی۔"

"شاباش!" امی نے ایمن کو پیار بھری تھپکی دی۔ "اور یہ قرارداد کس نے منظور کی تھی؟"

"اوں! پتا نہیں!" ایمن نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔ "اچھا میں بتاتی ہوں اپنی بیٹی کو، آپ پہلے کپڑے تبدیل کر لو۔" امی نے دونوں سے ملک شیک والے گلاس تھام کر ٹرے میں رکھے اور کچن میں آ گئیں۔ شام کو ہوم ورک کے بعد لان میں بیٹھی کہانیوں کی کتاب پڑھتی ایمن کو امی نے اپنے پاس بلایا اور قرارداد کا بتانے لگیں۔ "دیکھو بیٹا! قرارداد کہتے ہیں کسی چیز کا اقرار یا فیصلہ کرنا۔"

"تو آپ بتائیے پھر قرارداد پاکستان کا کیا مطلب ہوا؟"

"پاکستان" بنانے کا فیصلہ یا اقرار کرنا۔" "جی بالکل! امی نے داد بھری نظروں سے ایمن کی جانب دیکھا۔"

"قرارداد کس مقام پر پیش کی گئی؟"

"اس کا ذکر میری اردو کی کتاب میں بھی ہے امی۔"

"اچھا ماشاء اللہ! پھر تو میری بیٹی کو یقیناً آتا ہو گا۔"

"جی! اقبال پارک لاہور میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔"

"ماشاء اللہ! میری بیٹی کو تو سب پتا ہے۔" امی نے محبت سے ایمن کے بال سہلائے۔

"1940 کے سالانہ اجلاس کی صدارت کس نے کی؟"

"قائدِاعظم محمد علی جناح نے۔" امی نے ایمن کو تحسین بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"اور قرارداد پیش کس نے کی تھی بیٹا؟" ایمن کی مسلسل خاموشی پہ امی خود ہی بتانے لگیں کہ "23 مارچ 1940 کو الگ وطن کے حصول کے لیے مولوی اے کے فضلِ حق نے قرارداد پاکستان پیش کی۔"

امی نے مزید بتایا کہ "23 مارچ کو مسلمانوں کی آبادی والے علاقے پاکستان میں شامل کر کے ایک علیحدہ وطن کے قیام کی منظوری پیش کی گئی۔" ایمن نے امی کی بات سمجھتے ہوئے تائید میں سر ہلایا تو امی نے پوچھا:

"اب آپ بتائیے، اس خاص دن کے موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"لوگوں میں اس دن کا شعور اُجاگر کرنا چاہیے۔"

"جی! اور؟ بتائیے شاباش!"

"مسلمانوں کو آزادانہ عبادت کے حصول کے لیے آزادی دلائی گئی، اس لیے مذہبی اصولوں پہ کاربند رہتے ہوئے وطن کی ترقی کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور اللہ سے وطن کی سلامتی کی دعا کرنی چاہیے۔"

"شاباش!" امی نے خوشی سے ایمن کو گلے لگایا۔

اتنے میں مسجد کے اسپیکر سے مغرب کی اذان کی آواز گونجنے لگی۔

"چلو بیٹا! ہم نماز پڑھیں۔"

"جی امی! پھر وطن کی سلامتی کے لیے دعا بھی کرنی ہے نا۔"

ایمن اپنی معصومیت میں کہے جا رہی تھی اور ماں کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔

بادلوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بادل دراصل پانی کے اربوں ذرات پر مشتمل ہوتے ہیں۔"

بابا نے بتایا تو عباد نے ان کی بات اُچک لی۔

"یعنی فضا میں پانی کے قطروں کی نظر آنے اور جمی ہوئی شکل کو بادل کہتے ہیں۔"

"بالکل! مگر آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ بظاہر ہلکے پھلکے، روئی کے گالوں جیسے نظر آنے والے بادل درحقیقت بہت بھاری ہوتے ہیں۔ یہ ہوا ہی ہے جو انھیں اٹھاتی ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو، وہاں بادلوں کو پہنچا دیتی ہے۔"

"واؤ! بابا یہ تو بہت دل چسپ ہے۔" احمد جو اتنی دیر سے آنکھیں پھیلائے سب غور سے سن رہا تھا، خوشی سے چہکا۔ اس کا اسکول میں داخلہ تو ہو چکا تھا، مگر ابھی تک پڑھائی شروع نہیں ہوئی تھی۔

"اسکول جانے لگو گے تو اور بھی بہت کچھ دل چسپ اور مزیدار سا پڑھنے کو ملے گا۔" عباد نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو احمد نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا، اب وعدہ کریں کہ آیندہ آپ دونوں اچھے بچوں کی طرح رہیں گے۔ مجھے روز روز شکایتیں نہیں ملنی چاہییں۔ آپ کچھ کرنا چاہتے ہو تو بڑوں سے اجازت لے کر کرنا اچھی بات ہے۔"

دونوں کو گلے لگاتے ہوئے انھوں نے سمجھایا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ ابھی بچے ہیں۔ ظاہر ہے شرارتیں تو کریں گے، مگر ایسی شرارتیں نہ کریں کہ کسی کا بھی نقصان ہو اور نوبت لڑائی جھگڑے تک جا پہنچے۔

"بابا! میں ماما سے سوری کر لیتا ہوں۔" عباد کی دھیمی آواز سنائی دی۔

"شاباش! ویسے احمد کی بات ٹھیک ہے، بادل آپ نے واقعی بہت پیارے بنائے ہیں۔"

انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دونوں بھی کھلکھلانے لگے۔

ایک جانور ایک کہانی

آکٹوپس

فوزیہ خلیل

عکاشہ آج بہت خوش تھا۔ وہ بہت اچھے نمبروں سے کام یاب ہوا تھا۔ اُس نے اپنے اسکول میں چھٹی جماعت میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے تھے۔ سب لوگوں نے عکاشہ کو بہت سارے تحفے دیے۔ اُن تمام تحائف میں اُس کو کتابوں کے تحفے بہت پسند آئے۔ وہ کتابیں بہت شوق سے پڑھتا تھا۔ اسی لیے اُس کی معلومات وسیع تھیں۔

خالہ جان نے عکاشہ کو جو کتاب دی تھی، وہ آکٹوپس کے بارے میں تھی۔ اس سے قبل عکاشہ آکٹوپس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اُسے صرف اتنا معلوم تھا کہ آکٹوپس ذہین مخلوق ہے اور خود کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آکٹوپس کی یہ کتاب اُسے بے حد دل چسپ لگی۔ اُس شام جب اُس کے تایا زاد بہن بھائی آئے تو اُس نے انہیں بھی اس کتاب کے بارے میں بتایا۔

"عکاشہ بھائی! ہمیں بھی تو آکٹوپس کے بارے میں کچھ بتائیے۔" مصطفیٰ کہہ رہا تھا۔

"سائنس دانوں کے مطابق آکٹوپس بہت ذہین مخلوق ہے۔ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے تجربات سے سیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی یادداشت اچھی ہوتی ہے۔"

"یہ اپنی ذہانت سے بھلا کیا فائدہ اٹھاتا ہے؟" موسیٰ نے پوچھا۔

"دیکھو موسیٰ! آکٹوپس سمندر میں رہتا ہے۔ سمندر میں اگر کوئی اس کا شکار کرنا چاہے تو بے حد مشکل کام ہے، کیوں کہ یہ ماحول کے مطابق تیزی سے اپنے آپ کو تبدیل کرتا رہتا ہے۔ تبدیلی کی یہ صلاحیت کیموفلاج کہلاتی ہے، یعنی ماحول سے خود میں مطابقت پیدا کرلینا۔" عکاشہ بولا۔

"اچھا۔۔۔ پھر؟" بچوں کے منہ مارے حیرت کے کھل گئے۔

"سمندر کی یہ ذہین مخلوق اپنے ماحول کے مطابق کیموفلاج کرکے اپنے آپ کو بچالیتی ہے۔ یہ اپنے حفاظتی اوزاروں کو بہت ذہانت سے استعمال کرتا ہے۔"

"اچھا۔ یہ تو بہت حیران کن ہے۔" عبدالہادی بولا۔

"ہاں، آکٹوپس کی جلد کا رنگ اور اُس کا ڈیزائن بہت تیزی سے اپنے ماحول کے مطابق تبدیل ہوجاتا ہے۔ یہ اس قدر تیزی سے ڈھل جاتا ہے کہ اا اس کی طرف دیکھ آپ کے دیکھنے کے دوران ہی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ آپ کو بالکل نظر نہیں آئے گا، اس کا اس طرح اوجھل ہونا اس کے پاس قدرت کی عنایت کردہ ناقابلِ یقین مہارت ہے۔" عکاشہ نے جلدی جلدی کہا۔

چوں کہ عکاشہ نے پوری کتاب بہت ہی دل چسپی سے پڑھی تھی، اس لیے تمام معلومات اُسے ازبر ہوگئی تھیں۔ ویسے بھی ہم اپنی زندگی میں جس چیز میں غیر معمولی دل چسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ چیز ہمارے لیے آسان ہوجاتی ہے۔

"عکاشہ بھائی! میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ آکٹوپس ایک قمری جانور کہلاتا ہے، کیوں کہ یہ چاند کے گھٹنے بڑھنے اور سمندر کی لہروں سے متاثر ہوتا ہے۔" عبدالہادی نے کہا۔

"ہاں، میں نے بھی یہ پڑھا تھا۔" یحییٰ نے جلدی سے کہا۔ "آکٹوپس کا ڈھانچا نہیں ہوتا، اس لیے یہ اپنی لچکیلی جسامت کی وجہ سے بڑی برق رفتاری سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوجاتا ہے۔"

"ہاں، بالکل یہی بات ہے۔ آکٹوپس کے جسم میں ہڈیاں نہیں ہوتیں اس لیے وہ انتہائی چھوٹی سی جگہ اور شگاف میں بھی چھپ جاتے ہیں۔" عکاشہ نے جلدی سے کہا۔

"اوہ! تو پھر اس کا شکار کرنا تو بہت مشکل ہے، لیکن اگر کوئی شکاری اس کو پکڑ لے تو یہ کیا کرتا ہے۔" فاروق نے پوچھا۔

"جب کوئی شکاری اس کا کوئی بازو پکڑ لیتا ہے اور اس کو اپنی جان بہت خطرے میں نظر آتی ہے تو یہ بڑی آسانی سے اپنا بازو توڑ کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے۔" عکاشہ نے جواب دیا۔

بچے یہ حیران کن معلومات سن سن کر بہت حیران ہو رہے تھے۔

"اوہ! بازو۔۔۔ یہ کیسے بازو ہوتے ہیں، عکاشہ بھائی۔" یوسف نے پوچھا۔

"آکٹوپس کے ٹینٹیکلز نہیں ہوتے، بلکہ وہ اس کے بازو کہلاتے ہیں۔ اس کے آٹھ بازو ہوتے ہیں۔ اپنے طور پر ہر بازو بلند سطح پر کام کرتا ہے۔"

"عکاشہ بھائی میں نے سنا ہے، آکٹوپس کے تین دل ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح بات ہے؟" عبدالواسع نے پوچھا۔

"آکٹوپس کے تین دل ہوتے ہیں۔ دو دل گلپھڑوں کو خون بھیجتے ہیں، جب کہ تیسرا دل تمام جسم کو خون سپلائی کرتا ہے۔" عکاشہ بولا۔

"اللہ تعالیٰ نے سمندر میں کیسی کیسی عجیب مخلوقات پیدا فرمائی ہیں۔" عبدالباعث نے حیران ہو کر کہا۔

"صرف سمندروں میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے خشکی پر، ہوا میں، غاروں میں، دریاؤں میں غرض ہر جگہ ایسے ایسے جان دار پیدا فرمائے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

"ہاں، سچ تو یہ ہے کہ انسان ہی غور و فکر نہیں کرتا۔" یحییٰ نے کہا۔

"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آکٹوپس کیا کھاتا ہے؟" حمزہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"آکٹوپس، مچھلیاں، گھونگھے اور کیکڑے کھاتا ہے۔" عکاشہ نے جواب دیا۔

سب بچے خاموش تھے، شاید ہر کوئی یہ سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کتنا بڑا خالق ہے، اُس جیسا کوئی نہیں۔

کُوکُو۔مُومُو

ڈاکٹر الماس روحی

عاشی ایک چھوٹی بچی تھی۔ ابھی چھٹے سال میں تھی۔ اسے جانوروں پر بڑا پیار تھا۔ اس نے خالہ جان کے گھر ایک بلی دیکھی تھی۔ یہ ان کی پالتو بلی تھی جو اسے بہت پیاری لگی۔ ایک روز خالہ جان عاشی کے لیے تحفہ لائیں، دو ڈبے دیکھ کر سب حیران تھے، آخر اس میں کیا ہے؟ عاشی نے جیسے ہی ڈبا کھولا اس میں ایک بہت چھوٹی سی بلی میاؤں میاؤں کرتی نکلی عاشی خوش ہو گئی اور جب دوسرا ڈبا کھولا اس میں ایک اور بلی کا بچہ میاؤں میاؤں کرتا ہوا اُچھلا، سب ہنس رہے تھے۔ عاشی بہت خوش تھی۔ اسے خالہ جان بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ عاشی کی امی کو سمجھا رہی تھیں کچھ نہیں ہوتا بلی بڑا معصوم جانور ہے۔

یہ بچے عاشی کے دوست بن جائیں گے اور اس کے ساتھ کھیلیں گے، اسے بڑا مزا آئے گا۔ خالہ جان نے ایک بلی اور بلا دیا تھا۔ عاشی نے بلی کا نام "مومو" رکھا اور بلے کا نام "کوکو" رکھا۔ چھوٹی سی باسکٹ میں کپڑا بچھایا۔ دونوں کو ٹوکری میں رکھ دیا۔ روئی کی طرح نرم اور سفید بلی کے یہ بچے اس کے لیے بہت قیمتی بن گئے۔ وہ اپنے بابا کے ساتھ بازار گئی اور چھوٹی سی دودھ کی بوتل، سری لیکس کا ڈبا اور فریش دودھ لے آئی۔ بچے بھوکے تھے۔ بابا نے بوتل میں انھیں دودھ پلایا۔ عاشی روز صبح اٹھ جاتی اور انھیں دودھ پلانے کی کوششیں کرتی۔ بلی کے بچے میاؤں میاؤں کرکے شور کرتے اسے دودھ پلاتے ہوئے ڈر لگتا ایسے میں اس کی آپی مدد کرتیں جو خود ابھی دس سال کی تھیں۔ فاطمہ کو بھی بلی اچھی لگی تھیں۔ امی نماز سے فارغ ہو کر بلی کی ٹوکری میں نیا کپڑا بچھاتیں اور دونوں بلیوں کو نہلاتیں۔ روز کی دیکھ بھال سے کچھ ہی دنوں میں بلی کے بچے بڑے ہو گئے اور عاشی کا بھی ڈر ختم ہو گیا۔ اب وہ انھیں گود میں لیتی پیار کرتی اور ان پر نظمیں بناتی۔ اس روز وہ مومو کو گود میں لیے اس کی لمبی سی دم پکڑے ایک نئی نظم سنا رہی تھی۔

چھوٹی سی بٹیا مومو کی چوٹیا\
پانی میں چھپ چھپ\
کرتی ہے گپ شپ\
اِدھر اُدھر اچھلتی پھاندتی\
موٹی سی بٹیا، پیاری سی چوٹیا\
کبھی نہ کھائے، کبھی نہ رُلائے\
سب کو ہنسائے، اپنا بنائے\
گوری سی بٹیا، لمبی سی چوٹیا\
خاموشی سی آتی، گھر سے جب جاتی\
دیوار پر بیٹھی ،دم اپنی ہلاتی

گھنی سی چوٹیا ،دم اس کی لگتی\
عاشی کی بٹیا، لمبی سی چوٹیا\
زمین پر پڑی ہر چیز دیکھتی\
لپ جھپ آگے جو بڑھتی\
مونچھیں وہ چلاتی پرکھ کر وہ کھاتی\
رانی سی بٹیا، پیاری سی چوٹیا\
چھت پر جو چڑھ جائے\
آسانی سے اتر جائے\
میاؤں میاؤں کرکے شور وہ مچائے\
نیند سے وہ ہم سب کو جگائے

تھوڑی سی ڈرپوک تھی عاشی کی بٹیا\
مومو کی چوٹیا، موٹی سی کٹیا\
ڈنڈا لیے عاشی جو بھاگتی\
میز سے ٹکراکر جو گرتی\
پھر سنبھلتی اور کرسی پہ چڑھتی\
تب مومو کو اتارتی\
اور پیار وہ کرتی\
کیسی تھی یہ بلی نخرے اتنے دکھاتی\
عاشی کی مومو ہے چھوٹی سی بٹیا\
دم اپنی مارتی پانی میں نہاتی

چھینٹیں اڑاتی ٹب سے نکل جاتی\
نہانے کے ڈر سے مومو ہے بھاگتی\
چھوٹی سی بٹیا مومو کی چٹیا\
گھاس بھی کھاتی ہڈی بھی چباتی\
من میں آتا دودھ سارا پی جاتی\
ہری ہری آنکھیں سب کو دکھاتی\
چھوٹے چھوٹے کان اپنے وہ پھڑکاتی\
عاشی کی گود میں بیٹھی\
دم اپنی ہلاتی\
مخمل کی کٹیا عاشی کی بٹیا

امی اس نظم کو سن کر بہت خوش ہوئیں اور اسے پیار کیا۔ گلی کے سارے بچے مُومُو کُوکُو کے دیوانے تھے۔ ہر بچہ انھیں پیار کرتا، عاشی کو تو مُومُو اور کُوکُو اپنے ٹیڈی بیر لگتے۔ دونوں بہنیں بس ان بچوں کی فکر میں رہتیں۔ انھیں وقت پر کھانا کھلاتیں، نہلاتیں، دھلاتیں، ان کے ناخن کاٹنے کی ذمے داری عاشی کی بہن فاطمہ کی تھی جو کُوکُو مُومُو کو بہلا پھسلا کر ان کے ناخن ہر ہفتے کاٹ دیتی اور نہلانے کے بعد لال کپڑے کی بو بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیتی تھی۔ عاشی کو اپنی مومو اسمارٹ، کوکو ہینڈسم لگتا تھا۔ ایک دن فاطمہ نے عاشی سے کہا: یہ کیا بات ہوئی مومو پر نظم اور بے چارہ کوکو جو بہت پیارا بچہ ہے، اس پر تو کوئی نظم ہی نہیں کہتا۔ عاشی نے اپنے کوکو کو گود میں بٹھایا اور کرسی پر بیٹھ کر اسے پیار کیا اور کوکو راجہ پر یہ نظم کہی۔

ہے یہ چھوٹا بچہ\
پر ہے من کا سچا\
عقل کا تھوڑا کچا\
مُومُو کو، ایک جھٹکے میں مارے\
کُوکُو راجو یا یا\
نیلی پیلی آنکھیں گول گول آنکھیں\
سفید سفید ہیں بال\
پیاری سی ہے چال\
اِدھر اُدھر پھدکتا\
مُومُو کے پیچھے پھرتا

کُوکُو راجو یا یا\
لمبی سی دم ہے\
جو دیکھے وہ گم ہے\
ہاتھ پیر ہیں چھوٹے\
لمبی سی لال ٹائی پہنے\
جگہ جگہ گھومے\
مکھی کو وہ پکڑ نہ پائے\
کُوکُو راجہ یا یا\
اتنا ہینڈسم ہے\
جو دیکھے اسے چومے

گود میں لے اسے گھومے\
ہر بچہ خوشی خوشی\
چیز اپنی اسے کھلائے\
کُوکُو راجا یا یا\
بھوک ہو تو منہ پھلائے\
مما کو پیار اسے دیکھ کر آئے\
پھر وہ گود میں آ بیٹھ جائے\
نہائے تو ہمیں ستائے\
کُوکُو راجو یا یا\
چھوٹے کھڑے کان ہیں

گیند اس کی جان ہے\
میرا تو وہ مان ہے\
کھیلے تو خوب ہنسائے\
کُوکُو راجو یا یا\
مجھے ہے وہ پیارا\
سب کا ہے دُلارا\
کُوکُو کہو تو وہ دوڑا چلا آئے\
کُوکُو راجو یا یا

عاشی کی نظم گھر میں سب کو اچھی لگی تھی۔ ابو نے تو خوب عاشی کو شاباشی دی۔ سردی آئی سب نے موٹے کپڑے پہننے شروع کیے۔ عاشی سوئیٹر پہنے اور شال اوڑھے دروازے پر کھڑی کُوکُو اور مُومُو کے لیے فکر مند تھی۔ سردی میں دونوں نہ جانے کہاں نکل گئے تھے۔ گھر کے باہر باغیچے میں پیڑ سارے کملا گئے تھے۔ پودے سر جھکائے کھڑے تھے۔ چھوٹے دن اور لمبی راتیں تھیں۔ لحافوں میں دُبکنا اور خشک میوے کھانا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ کُوکُو کو اور مُومُو بھی اپنے گرم بستر پر آکر سو جائیں۔ اس نے کُوکُو مُومُو کو آواز دی۔ کُوکُو تو دیوار پر بیٹھا اپنی لمبی سی دم ہلا رہا تھا۔ مگر مُومُو غائب تھی۔ آخر کہاں چلی گئی؟ عاشی اپنی بہن فاطمہ کے ساتھ اسے آس پاس دیکھنے نکلی، مگر مُومُو تو کہیں بھی نہیں تھی۔ محلے کے سب بچوں سے پوچھ لیا تھا۔ کسی نے بھی شام تک مُومُو کو نہیں دیکھا تھا۔ آج اتوار کا دن تھا۔ عاشی کو ہوم ورک زیادہ ملا تھا۔ وہ صبح سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ فاطمہ امی کے ساتھ کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ مُومُو نے دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر باہر نکل گئی۔ اب وہ دیوار پھاند لیا کرتی تھی اِدھر اُدھر گھوم کر وہ واپس گھر آجاتی تھی۔ رات ہو چکی پر مُومُو نہیں لوٹی۔ عاشی رونے لگی، اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اللہ پاک! میری مُومُو کی حفاظت کرنا۔ اس نے دعا کی۔

دوسرے دن بھی مُومُو نہیں ملی۔ اب ابو کے ساتھ اس نے گلی کے ہر چوکیدار سے پوچھا، مگر کسی نے گھنے بال والی دم کی بلی نہیں دیکھی تھی۔ شام تک عاشی کو بخار ہو گیا۔ اسے اپنی مُومُو کے نہ ملنے کا بڑا افسوس تھا، مگر پھر بھی وہ جائے نماز بچھائے اپنے اللہ سے دعا کر رہی تھی۔ امی ابو کو بہت فکر ہوئی۔ اس طرح تیسرا دن بھی گزر گیا۔ کُوکُو الگ اُداس تھا۔ دونوں صبح سویرے جب امی نماز پڑھ رہی ہوتی تھیں، چھپن چھپائی کھیلتے، ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے، بھاگتے اور جیسے امی باورچی خانہ میں آتیں، وہ منہ اٹھائے انھیں دیکھتے، سری لیکس اور دودھ ملا کرامی ان کے پیالوں میں ناشتہ رکھتیں تو چٹ چٹ کھا جاتے اور تھوڑی دیر سو کر پھر اٹھتے۔ عاشی اور فاطمہ اسکول جاتیں تو دروازے پر کھڑے ہو کر انھیں ٹکر ٹکر دیکھتے۔ دونوں بہنیں انھیں پیار ضرور کرتیں۔ عاشی تو انھیں اسکول ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ کاش! بلیوں کے بھی اسکول ہوتے۔۔۔ وہ روز سوچتی۔ اب سب پریشان تھے۔ آخر مُومُو کہاں چلی گئی، تھوڑی دیر بعد عاشی کے پاس آٹھ سالہ لڑکا صارم آیا جو اپنی نانی کے گھر گیا ہوا تھا۔ عاشی نے اس سے پوچھا صارم! تم میری مُومُو کو بہت پیار کرتے تھے نا! کیا تم نے مُومُو دیکھی تھی۔ وہ بولا: ہاں، مجھے یاد آیا عزیر کے گھر میں جو مہمان آئے تھے، ان میں ایک موٹی سی لڑکی عمائرہ تھی جو مُومُو کو "سیوٹی سیوٹی" کہہ کر پیار کر رہی تھی۔ وہ بلی لے کر گھر کے اندر چلی گئی تھی۔ صارم کی بات پر عاشی اور فاطمہ عزیر کے پاس گئیں۔ عاشی نے کہا دیکھو عزیر سچ بتانا جھوٹ بولا پیٹ میں بہت زور کا درد ہو جائے گا اور گناہ الگ ہوگا۔ عزیر نے بتایا کہ مُومُو کو عمائرہ اپنے ساتھ لے گئی اپنے گھر۔ اب دونوں بہنیں سمجھ چکی تھیں، ان کی پیاری مُومُو کو عمائرہ نے اغوا کر لیا ہے۔

عاشی اپنے امی ابو سے کہہ رہی تھی، پہلے ہی ہمیں پولیس میں مُومُو کی گم شدگی کی رپورٹ لکھوانی چاہیے تھی۔ ابو نے سمجھایا عمائرہ ان شاء اللہ مُومُو کو خود دینے آجائے گی۔ کسی کی پالتو بلی رکھنا آسان نہیں، لیکن عاشی امی کے ہم راہ عزیر کی امی کے پاس گئی۔ روتے ہوئے بولی: "آنٹی! وہ بلی نہیں تھی، مُومُو میری بہن تھی، میرا سب کچھ تھی۔ مجھے میری مُومُو منگوا دیں پلیز!" عزیر کی امی عاشی کی امی کے سامنے اپنی بھتیجی عمائرہ کی اس حرکت پر شرمندہ تھیں۔ شام کو عمائرہ عاشی کے دروازے پر کھڑی "سوری" کہہ رہی تھی۔ عمائرہ کو عاشی نے معاف کر دیا۔ مُومُو دوڑتی ہوئی عاشی کے پاس آگئی، عاشی نے روتے ہوئے اسے گود میں لیا اور برتن میں دودھ پلایا، عمائرہ نے بتایا کہ مُومُو بھی بہت اُداس تھی۔ اُس نے کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ فاطمہ اور عاشی نے مُومُو کو نہلایا۔ نہانے کے بعد مُومُو بھی خوب دیر تک سوئی اور اُبلی ہوئی مرغی کی بوٹیاں کھا کر عاشی فاطمہ اور کُوکُو کے ساتھ مُومُو کھیلنے لگی۔ کُوکُو، مُومُو کے بغیر اُداس تھا۔ وہ بھی خوش ہو گیا۔ رات بہت ہو چکی تھی، جب سب سونے لیٹے تو عاشی اپنی امی سے بولی: "اب میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے بخار نہیں رہا، میری مُومُو جو آگئی۔" امی نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے دیکھا تو مسکرا دیں۔

"ہاں، میری بیٹی کو بخار تو نہیں رہا۔ یہ پریشانی کا بخار تھا۔ مُومُو کے گم ہو جانے کا بخار۔" عاشی امی کی بات پر مسکرائی اور اپنی ٹوکری میں بستر پر سوتا مُومُو اور کُوکُو کو دیکھ کر بولی: "یہ میرے قیمتی کھلونے ہیں جو بہت کیوٹ ہیں، میں ان سے بہت پیار کرتی ہوں۔" فاطمہ نیند میں بولی: "عاشی! ہمیں معلوم ہے، اب سو جاؤ۔" یوں فاطمہ کے ساتھ عاشی بھی سو گئی۔

مشکل الفاظ

کیوٹ: پیاری، پیارے، خوب صورت
کٹیا: گھڑی
نادان: بے وقوف
بُھدکنا: اچھلنا
باسکٹ: ٹوکری
سوری: معافی مانگنا
بھتیجی: بھائی کی بیٹی

مغرور بگلا اور کوا

آسیہ علی

کوے تُو ہے کالا کالا
میں ہوں جیسے برف کا گولا

بگلے نے کوے سے کہا تھا
کوا سن کے چپ ہی رہا تھا

ایک کبوتر نے سُن کے کہا
یہ غرور نہیں ہوتا اچھا

خود کو اس سے بچا پیارے
ورنہ تجھ کو چھوڑ دیں گے سارے

بگلے نے مذاق اڑایا تھا
اس کو مہنگا وہ پڑا تھا

اک دن بگلا بیمار ہوا تھا
تنہا لیٹا یہ سوچ رہا تھا

مل جل کے رہنے میں برکت
اس سے ہی مِلتی ہے عزت

کوئی بھی جب پاس نہ آیا
تب بگلے کو سمجھ یہ آیا

ilmofy
PAKISTAN

کاش! اللہ تعالیٰ ہم سے امتِ مسلمہ کے لیے کوئی عالمی کام لے لے۔ کاش!

آئیے! بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کا ممبر بنیے اور ممبر تیار کیجیے اور قوموں کی تقدیر بدلنے والی تعلیمی قومی اور عالمی خدمت میں اپنا حصہ ڈال کر دنیا اور آخرت میں سرخ رو ہو جائیے۔

تفصیلات کے لیے وزٹ کیجیے

http://ilmofy.baitussalam.org

UAN No. 111-298-111 | Email: ilmofy@baitussalam.org | Mob: +92-332-3332401

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے سارہ عمیر کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

عثمان شارق 6 سال ہوم اسکول کراچی

عبداللہ سلیم کراچی

محمد سائح علی کراچی

مریم ایوب، ہفتم، گورنمنٹ ایلیمنٹری اسکول لیاقت پور

مناہل عبدالرحیم میرپور خاص

ہانیہ الیاس، 8 سال، اقراء تفہیم القرآن کراچی

اقصیٰ سہیل حنیفہ حاجیانی اسکول کراچی

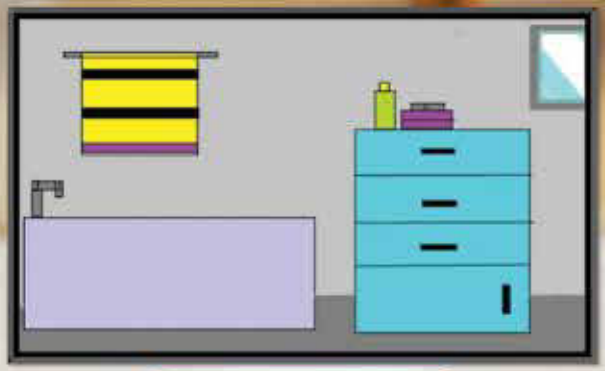

زویا انعام شیخ، 10 سال پنجم کراچی

پیارے بچو!

الحمد للہ ہم مسلمان ہیں۔۔۔یہ اللہ تعالی کا ہم پر خصوصی فضل واحسان ہے۔۔اور اللہ تعالی کی کرم وعطا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے پیارے اللہ کے اس خاص کرم کا دل سے شکر ادا کریں۔۔۔اور اس کی عبادت میں کوئی کمی نہ چھوڑیں۔۔۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان سے پہلے رمضان کی تیاری شروع فرمادیتے تھے۔۔۔

اور رمضان سے پہلے ہی روزے بھی رکھتے تھے۔۔۔اور لوگوں کو گناہوں سے بچنے کی خاص تاکید بھی فرماتے تھے۔۔۔ شعبان اسلامی سال کا آٹھواں مہینا ہے، رمضان سے پہلے مہینے کو شعبان کہا جاتا ہے تو کیوں نا ہم بھی رمضان کی تیاری اس طرح کریں کہ ابھی سے ان گناہوں سے بچنا شروع کردیں۔۔۔جن میں ہم رمضان میں رک جاتے ہیں۔۔۔اور وہ نیکیاں کرنا شروع کردیں۔۔۔جو خاص رمضان میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔

اس طرح ہم بھی استقبال رمضان کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔۔۔

تو۔۔۔ کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ!!!

مارچ 2022ء کے سوالات

سوال نمبر 1: درج ذیل قول کس بزرگ کا ہے۔۔؟

"اگر کسی کو صدیق کے درجے تک پہنچنا ہے تو زبان سے برے الفاظ نکالنے، لعنت دینے، گالی دینے سے بچنا ضروری ہے۔۔"

سوال نمبر 2: گلے کے مرض کے لیے حضرت میمونہ نے کیا علاج بتایا۔۔۔؟

سوال نمبر 3: "بابائے ہندوستانیات" کن بزرگ کو کہا جاتا ہے۔۔۔؟

سوال نمبر 4: یو ایس بی کے اندر کون سی ویڈیو تھیں۔۔۔؟

سوال نمبر 5: امی نے بلال کو کیا نصیحت کی۔۔؟

دسمبر 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: اللہ تعالی جسے اپنا بنانا چاہتا ہے الیکٹرک شاک دے کہ متوجہ کرتا ہے۔

جواب نمبر 2: ننھی خرگوشنی کو جانور کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔۔

جواب نمبر 3: جنگ یمامہ میں شہید ہونے والے حفاظ اور علماء کی تعداد 700 تھی۔۔۔

جواب نمبر 4: والد کو حدیث میں جنت کا درمیانی دروازہ کہا گیا ہے۔

جواب نمبر 5: عامر اور عارف کے والدین آخر میں اپنے پرانے گھر چلے گئے تھے

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ

اپنا نام، عمر، کلاس اسکول، مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں

یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03162339088

بلا عنوان کا عنوان

دسمبر 2021 میں عائشہ طاہر کی بلا عنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے کراچی سے لبابہ نعیم کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔

انہوں نے عنوان دیا ہے

"لاتثریب علیکم الیوم"

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

دسمبر 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

کراچی سے محمد نعمان کو شاباش

انہیں 300 روپے مبارک ہوں۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہما

عائش صدیقی

دیکھوں تو ایک شان ہے ، کیا شانِ منفرد
ازواجِ مصطفیٰ کی ہے پہچان منفرد
پہنایا اہلِ بیت کو تطہیر کا لباس
بخشی ادائے ناز کو مُسکان منفرد
لاتے ہیں جبرئیل سلامِ خدائے حق
ملتی ہے ماں خدیجہؓ کو رضوان منفرد
آدابِ عائشہؓ کو یوں رکھا ہے برقرار
دامن کو پاک کہہ گئی برہان منفرد
وہ در کہ مصطفیٰ جسے دارالاماں کہیں
اُس در سے آئی دخترِ سفیان منفرد
سودہؓ ، جویریہؓ ہوں یا میمونہؓ ، ماریہؓ
سب گُل حسین تر ہیں ، گلستان منفرد
آ اُمِ سلمہؓ ، زینبؓ و صفیہؓ کی شان دیکھ
تقویٰ، سخا ، وفا کا ہیں فیضان منفرد
ربِ جہاں نے دے دیا جب اختیارِ دل
چن لی درِ رسول کی فرحان منفرد
قربان جایئے درِ اقدس کی خاک پر
داماد جن کے حیدر و عثمان منفرد
عائشؔ نہ چھو سکے گی بدن کو تپش کبھی
رکھتی ہوں روزِ حشر کا سامان منفرد

منقبت

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

ارسلان اللہ خان

دُخترِ مُصطفیٰ، سیدہ فاطمہ
زوجۂ مُرتضیٰؓ، سیدہ فاطمہؓ
پیکرِ باصفا، سیدہ فاطمہؓ
طیبّہ، طاہرہ، سیدہ فاطمہؓ
صادقہ، صالحہ، سیدہ فاطمہؓ
عابدہ، زاہدہ، سیدہ فاطمہؓ
میرے آقا سے بے حد مُشابہ تھیں وہ
جانِ خیرالوریٰ، سیدہ فاطمہؓ
بنتِ حضرت خدیجہؓ ہیں وہ مومنو
باوفا، باحیا، سیدہ فاطمہؓ
آپؓ خاتونِ جنّت ہیں زہرا، بتول
مُتقی، پارسا، سیدہ فاطمہؓ
اُمِّ شبّیر و شبّر و زینب ہیں وہ
صابرہ، شاکرہ، سیدہ فاطمہؓ
پیارے آقا کی اولاد کا سلسلہ
آپؓ ہی سے چلا، سیدہ فاطمہؓ
لاڈلی تھیں بہت میرے سرکار ﷺ کی
راحتِ مُصطفیٰ، سیدہ فاطمہؓ
کوئی سائل بھی خالی نہ لوٹا کبھی
بحرِ جود و سخا، سیدہ فاطمہؓ
دُنیا بھر کی خواتین کے واسطے
ایک نورالہُدیٰ، سیدہ فاطمہؓ
حضرتِ فاطمہؓ کو تو محبوب تھی
بس خُدا کی رضا، سیدہ فاطمہؓ
ارسلانؔ کی یہ مقبول ہو منقبت
از پئے فاطمہؓ، سیدہ فاطمہؓ

ہیں سارے صحابہ برحق

احمد ظہور

گلستاں حضور ہیں صحابہؓ پھول ہیں
فی النبی فنائیت کا وہ اصول ہیں
ان سے ہی ہے چمن میں بہار
پھول ہے اس چمن کا خارخار
ہیں صحابہؓ سارے برحق

کردارِ اصحابؓ لاجواب ہے
پاک ہے چمکدار ماہتاب ہے
ان کے در کے بنو پہرے دار
ان کو تھامو تو ہوگا بیڑا پار
ہیں صحابہؓ سارے برحق

معیارِ ایمان اصحابؓ ہیں
روشنی میں سارے خودآفتاب ہیں
ان کا جو بھی بنا تابعدار
ہے وہ جنت کا واللہ حقدار
ہیں صحابہؓ سارے برحق

پنجتن ہی نہیں وہ پاک سارے ہیں
آقا کے وہ محبوب رب کے پیارے ہیں
گر تُو مانگے دلیل ایک بار
دوں دلیلیں تجھے بے شمار
ہیں صحابہؓ سارے برحق

صحابہؓ میرا دل ہیں صحابہؓ میری جان
عکسِ حضور ہیں وہ جزوِ ایمان
ہیں وہ جنت کی راہِ ہموار
اس ہی راہ کے رہو شہسوار
ہیں صحابہؓ سارے برحق

اٹھ جان کر تو صحابہؓ پہ فدا
ان کی غلامی کا تو سہرا سجا
ان کی الفت سے جو ہیں سرشار
اہلِ سنت کے ہیں وہ سردار
ہیں صحابہؓ سارے برحق

احمد ظہور ہیں صحابہؓ میرے پیر
ان کے ہی نام ہے یہ دل کی جاگیر
ان پہ کر دوں میں سب کچھ نثار
واروں جان ان پے میں بار بار
ہیں صحابہؓ سارے برحق

گلدستہ

ترتیب وپیش کش: عبدالرحمن چترالی، شیخ ابو بکر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

حمد

دل میں دیکھا ہے قریبِ رگِ جاں دیکھا ہے
اپنی جانب سے تجھے ہر دم نگراں دیکھا ہے
جب بھی آتی ہے مؤذن کی صدا کانوں میں
میں نے ہر لفظ رگ و پے میں رواں دیکھا ہے
ماورائے عدم و ہست ہے ہستی تیری
بے نشانی میں بھی تیرا ہی نشاں دیکھا ہے
اے خدا! اور بھی پختہ ہوا ایمان مرا
نگہِ غور سے جب سوئے جہاں دیکھا ہے
تو ہی عزّت بھی عطا کرتا ہے اور ذلّت بھی
کیسا کیسا تری قدرت کا سماں دیکھا ہے
جو ترے واسطے دشوار سفر پر نکلا
اس نے ہر موڑ پہ اک دارالاماں دیکھا ہے
کیا بساطِ نگہِ شوق مظفر ہے تری
آنکھ والوں نے اسے خود پہ عیاں دیکھا ہے

شاعر: مظفر وارثی

نعت

عطائے کبریائی چاہتا ہوں
جمالِ مجتبائی چاہتا ہوں
دو عالم دائرہ ہیں اور وہ مرکز
سو مرکز تک رسائی چاہتا ہوں
جہاں ارض و سما ہیں سربسجدہ
میں اُس در کی گدائی چاہتا ہوں
حضورِ سرورِ کونین یارب
میں اِذنِ لب کشائی چاہتا ہوں
جہاں سرکار خود ہیں جلوہ فرما
وہاں مدحت سرائی چاہتا ہوں
زباں پر نعتِ سرور آرہی ہے
فرشتو ہم نوائی چاہتا ہوں
مجھے قرآن کی تفہیم یارب
شعورِ مصطفائی چاہتا ہوں
خِرَد کیا جانے رسمِ جاں سپاری
جنوں سے آشنائی چاہتا ہوں
بہ جُز غمہائے عشقِ جانِ جاناں
ہر اِک غم سے رہائی چاہتا ہوں
جو تر دامن رہے اشکوں سے پیہم
میں ایسی پارسائی چاہتا ہوں
رہِ عشقِ محمد کا سفر ہے
خدا کی رہ نمائی چاہتا ہوں
زمانہ شر کا مسکن بنا چلا ہے
مدد، خیر الورائی چاہتا ہوں
اُمید آقا کے در پر سر جھکا کر
مقدّر آزمائی چاہتا ہوں

اُمید فاضلی

سستی سے بچو

ہاں! جو چیز بچنے کی ہے، جس سے مکمل احتراز اور پرہیز لازم ہے، وہ یہ کہ سستی کی وجہ سے، کاہلی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ کام میں دل نہیں لگ رہا ہے یا اس وجہ سے کہ دل گھبرا رہا ہے، ان وجوہات کی وجہ سے اپنا نظام الاوقات توڑنا یا معمول چھوڑنا خطرناک بات ہے اور جو شخص ان وجوہات سے اپنا نظام الاوقات توڑے گا، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیابی حاصل کرنے والے کو سستی سے لڑنا پڑے گا، اپنی کاہلی سے بھی لڑنا پڑے گا، دل کی گھبراہٹ کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

(وقت ایک عظیم نعمت، مولانا روح اللہ، ص: 141) ام عبداللہ

اسلام میں عورت کا مقام

اسلام عورت کو بلند مقام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنی فطری آرائش کے جذبے کو ضرورت سے زیادہ نہ دباؤ۔ اسلام نے عورت کو سونے چاندی، ریشم وغیرہ کے استعمال کی اجازت دی ہے، تاکہ ان چیزوں کی مدد سے وہ اپنا حسن بڑھائے، اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرے، اسلام کے نزدیک عورت کا بناؤ سنگھار ایک پسندیدہ فعل ہے۔ احادیث میں عورت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنے جسم کی آرائش کرے، اچھا لباس پہنے، زیورات پہنے، عطر و مہندی لگائے، صاف ستھری رہے، مگر ان سارے کاموں کے ساتھ اسلام نے یہ شرط لگائی ہے کہ نسوانی حسن کی نمائش صرف گھر والوں اور شوہر کے لیے ہے، دوسروں کے لیے نہیں، نہ بازاروں میں گھومنے کے لیے اور نہ دکان داروں کے لیے! عورت بناؤ سنگھار کرکے دوسروں کے سامنے نہیں آسکتی، یہ اسلام میں ناجائز اور حرام ہے، ایسا کرنا عورت کے لیے موجبِ عذاب ہے۔

(تحفۃ النساء، مولانا محمد کمال الدین، ص 129)

عورت معاشرے کا اہم عنصر

عورت انسانی معاشرے کا وہ اہم عنصر ہے، جس کے بغیر معاشرہ و سماج کا تصور ہی ممکن نہیں۔ عورت انسانی ترقی کا زینہ اور اجتماعی زندگی کی روح ہے۔ عورت عالمِ انسانی کی بقا اور اس کے تحفظ کی ضامن ہے۔ عورت افزائشِ نسل اور اولاد کی تعلیم و تربیت کی اعلیٰ ذمے دار ہے۔ اس کی گود جہاں شیر خوار بچوں کی جائے پرورش ہے، وہیں دوسری طرف اس کی آغوشِ تمدّن اور تعلیم و تربیت کا گہوارہ ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک سینکڑوں پردہ نشین مسلم خواتین نے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے گوشۂ عمل و فن سے لے کر میدانِ جہاد تک ہر شعبہ زندگی میں حصہ لیا اور اسلامی معاشرے کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کیا۔

(خواتین اسلام کے ایمان افروز واقعات، مولانا محمد نعمان، ص: 72)

بیت المقدس کی اسلامی تاریخ

بیت المقدس کا اسلامی تاریخ و ثقافت اور عقائد سے گہرا تعلق ہے۔ جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سرزمین کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی سرزمین کو جائے سکونت کے طور پر اپنایا اور یہیں اپنا ایک محراب بھی تعمیر فرمایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی جگہ سے ساری دنیا پر حکومت کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا محراب بھی بیت المقدس میں ہے۔ اسی شہر میں حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی سرزمین کے تعلق سے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ تم اس مقدّس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ قصۂ جالوت و طالوت کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے۔

(فلسطین کی ڈائری، مولانا سہیل باوا، ص: 32)

اپنا کہا سنا معاف کرالو

ہمارے بزرگوں نے ایک جملہ سکھایا ہے جو اکثر و بیشتر لوگوں کی زبان پر ہوتا ہے، یہ بڑا اچھا جملہ ہے، وہ یہ کہ جب کسی سے جدا ہوتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں: "بھائی! ہمارا کہا سنا معاف کر دینا۔"

یہ بڑے کام کا جملہ ہے اور اس میں بڑی عظیم حکمت کی بات ہے، اگرچہ لوگ ایسے بغیر سوچے سمجھے کہہ لیتے ہیں، لیکن حقیقت میں اس جملے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت ہم تم سے جدا ہو رہے ہیں، اب دوبارہ معلوم نہیں کہ ملاقات ہو یا نہ ہو، موقع ملے یا نہ ملے، لہٰذا میں نے تمہارے بارے میں کچھ کہا سنا ہو یا تمہاری کوئی زیادتی کی ہو تو آج میں تم سے اس کی معافی مانگتا ہوں۔ لہٰذا سفر میں جاتے ہوئے اس کی عادت ڈالنی چاہیے کہ جن سے میل ملاقات رہتی ہو، ان سے یہ جملہ کہہ دینا چاہیے، جب وہ سامنے والا جواب میں یہ کہہ دے کہ میں نے معاف کر دیا تو ان شاء اللہ معافی ہو جائے گی۔

(اصلاحی خطبات، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، ج:11، ص:319)

اردو زبان کا ادب

اردو کی ابتدا کے بارے میں پروفیسر محمود شیرانی کا یہ استدلال بڑا وزن رکھتا ہے کہ غزنوی دور کے بعد (جو کہ 180 سال تک محیط ہے) قطب الدین ایبک کے متوسلین ہندوستان میں کوئی ایسی زبان ہم راہ لے کر روانہ ہوئے، جس کے ذریعے خود مسلمان قومیں ایک دوسرے سے تکلم کر سکیں اور ساتھ ہی ہندو اقوام بھی اس کو سمجھ سکیں اور جس کو قیامِ ہند کے زمانے میں وہ بولتے رہے ہیں۔

یوں تو قدیم اردو کا آغاز (جسے ریختہ کا نام دیا گیا ہے) جدید ہند آریائی زبانوں کے طلوع کے ساتھ سن 1000 کے لگ بھگ کے اس زمانے میں ہو گیا جب مسلم فاتحین مغربی ہند (موجودہ پاکستان) کے علاقوں میں آباد ہوئے اور یہاں اسلامی اثرات بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگے۔

(اسلامی جمہوریہ پاکستان، مولانا محمد ڈاکٹر عادل خان، ج:2، ص:327)

شکر کی حقیقت

فرمایا: شکر کی حقیقت یہ ہے کہ جو حالت طبیعت کے موافق ہو، خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو، اس حالت کو دل سے خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ سمجھنا اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا گناہوں میں استعمال نہ کرنا شکر ہے۔

(سکون قلب، مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، ص213)

دنیا کی سب سے پہلی یونی ورسٹی

دنیا کی سب سے پہلی اسلامی یونی ورسٹی مراکش کے شہر فاس میں 859ء میں قائم ہوئی۔ محمد بن عبداللہ فہری قیروانی نے اس یونی ورسٹی کے بنانے کا حکم دیا۔ موت نے ان کو مہلت نہ دی، مگر ان کے بعد ان کی بیٹیوں فاطمہ اور مریم نے اپنے والد کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے یونی ورسٹی مکمل کروائی۔

یونی ورسٹی میں ایک جامع مسجد کے علاوہ فقہ اور دوسرے علوم پڑھانے کے لیے بہت سی عمارتیں بنائی گئیں اور اس یونی ورسٹی کو مدینۃ العلم کا نام دیا گیا۔

(سنہرے اوراق، عبدالمالک مجاہد، ص:372)

اہم نصیحت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو خط میں یہ نصیحت لکھی کہ میں تجھے تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں، جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور اہلِ تقویٰ کے سوا کسی پر رحم نہیں کیا جاتا اور اس کے بغیر کسی چیز پر ثواب نہیں ملتا، اس بات کا وعظ کہنے والے تو بہت ہیں، مگر عمل کرنے والے بہت کم۔

(بکھرے موتی، مولانا محمد یونس پالنپوری، ص:36)

اشعار

حق نے احسان میں نہ کی اور میں نے کفران میں کمی
وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا

الطاف حسین حالیؔ

تو راز کن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا، خدا کا ترجمان ہو جا

علامہ اقبالؒ

قدم بڑھاؤ کہ روشن ہوں منزلوں کے چراغ
سناؤ گیت کہ آوازِ کارزار ہو تم

شورشؔ کاشمیری

جان کو جان سمجھتے ہی نہیں ہیں تائبؔ
ہم میں کچھ ایسے بھی ہیں جان سے جانے والے

خالد اقبال تائبؔ

خدارا آنکھ کھول اور دیکھ تو اے ملتِ بیضا
کہ تیری کیا رَوِش ہے اور ہے کیا رفتارِ دنیا کی

ظفر علی خان

نہ کچھ فنا کی خبر ہے نہ ہے بقا معلوم
بس ایک بے خبری ہے، سو وہ بھی کیا معلوم

اصغر گونڈوی

جو حق کی خاطر جیتے ہیں، مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر!
جب وقتِ شہادت آتا ہے، دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

جگر مرادآبادی

ہنسی بھی ہے میرے لب پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری نم نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

عزیز الحسن مجذوبؔ

ترے دَر کی فقیری کو شرف ہے بادشاہی پر
گواہ اس قول کا ہے حالِ ابراہیم ادہم کا

حیدر علی آتشؔ

صدقہ

انسان کے اچھے اور برے اعمال اور اخلاق کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں۔ صدقے کی دو خاصیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندہ کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لیتا ہے، پھر وہ صدقے کے ذریعے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ صدقہ انسان کو بری موت سے بچاتا ہے۔

(اصلاح المسلم، عبدالستار بن محمد عمر، ص:106)

بیت السلام فوڈ بنک

5 سال سے روزانہ ہزاروں مستحقین کو ان کی دہلیز تک

پکا پکایا کھانا پہنچاتا ہے

رپورٹ: خالد معین

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام جہاں خدمت کی بیسیوں صورتیں اور شکلیں جاری و ساری ہیں، وہیں ایک شکل یہ بھی ہے کہ مستحق افراد تک پکا پکایا کھانا پہنچایا جائے۔ چناں چہ مختلف سانحات اور حادثات کے موقع پر بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ یہ کوشش کرتا ہے کہ پینے کا صاف پانی اور پکا پکایا کھانا پہلی ضرورت کے طور پر ترجیحاً مستحقین تک پہنچائے۔

اس کے علاوہ بیت السلام دستر خوان سے بھی روزانہ ہزاروں افراد استفادہ کرتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار سے زیادہ افراد روزانہ بیت السلام دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مستحق افراد تک کھانے پہنچانے کے لیے گزشتہ تقریباً پانچ سال سے بیت السلام فوڈ بنک کے نام سے ایک مستقل شعبہ کام کر رہا ہے۔

ابتداء بیت السلام فوڈ بنک تقریبات اور دعوتوں میں بچ جانے والا صاف ستھرا کھانا وصول کرکے مستحق گھرانوں تک پہنچانے کے لیے شروع کیا گیا تھا لیکن پھر اہل خیر کی توجہ نے اس کا دائرہ وسیع کر دیا۔ اب یہ شعبہ صرف دعوتوں میں بچ جانے والا اضافی کھانا مستحقین کو کھلانے تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روزانہ کی بنیاد پر فوڈ بنک کا یہ پلیٹ فارم اہل خیر کی جانب سے عطیہ کردہ کھانے کو بھی ہزاروں افراد تک پہنچاتا ہے۔

بہت سے حضرات اپنے زیر انتظام بھی کھانا پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور بہت سے احباب فوڈ بنک کال کرکے کھانا وصول کرنے اور مستحقین تک پہنچانے کی درخواست بھی کرتے ہیں۔ فوڈ بنک کا عملہ دیے گئے پتے سے کھانا وصول کرتا اسے پیک کرتا ہے اور پھر دور دراز کی پس ماندہ بستیوں کے مستحق گھرانوں تک پہنچاتا ہے۔

رمضان المبارک میں جہاں دوسرے شعبہ جات کا دائرہ پھیل جاتا ہے، وہیں فوڈ بنک کے تحت کھانا پہنچانے کی خدمت میں بھی کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

J.
FRAGRANCES

MOSCOW

HIM & HER

JOURNEY COLLECTION

"Fragrance that takes you to the journey of thousand miles."

100ML Rs.2,385/=

Saiban
FOR ORPHANS
BAITUSSALAM

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے
تعاون سے آئیں اس نیک کام
میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:

- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

شرائط:

- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

+92 333 4632340 | +92 021 35290156